جماعت سازی اور اس کی بنیادیں

قاری یحییٰ اشرف عبدالغفار☆

سابقہ مباحث کا خلاصہ

اس سلسلے کا پہلا مضمون ماہِ دسمبر ۲۰۰۷ء کے حکمت قرآن میں ''جماعت سازی کی ضرورت اور اس کی بنیادیں'' کے عنوان سے شائع ہوا تھا۔ قارئین کی سہولت اور ربط مضمون کے لیے پہلے اس کے مباحث کا خلاصہ دیا جا رہا ہے۔

مذکورہ بحث کے تحت جو اہم اقوال جماعت کے مفہوم کے بارے میں ہیں یا جن کے لزوم کا احادیث میں حکم وارد ہوا ہے' کا ماحصل یہ ہے کہ جماعت کے مفہوم کے تین پہلو ہیں:

(۱) ایک تو یہ ہے کہ جماعت ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جو ایک امام (خلیفہ) پر شریعت کے تقاضوں کے مطابق مجتمع ہوتے ہیں۔ چنانچہ اس ''جماعت'' کا لزوم واجب ہے اور اس سے خروج حرام ہے' جیسا کہ احادیث میں موجود ہے۔

(۲) الجماعۃ کا اطلاق ان تمام مسلمانوں پر بھی ہوتا ہے جو کتاب اللہ وسنت رسول اللہﷺ اور اجماعِ صحابہؓ کا التزام کرتے ہوں' اگرچہ ان کے پاس حکومت اور اقتدار موجود نہ ہو' جن کو اہل السنۃ والجماعہ کہا جاتا ہے۔ بالفاظ دیگر جماعت ''مذہب حق'' کا نام ہے۔ جماعت کی یہ تفسیر کہ اس سے مراد صحابہ ہیں یا اہل علم ہیں یا اہل اجماع ہیں یا یہ کہ سوادِ اعظم ہیں' یہ سبھی کچھ ایک معنی کی طرف لوٹتا ہے اور وہ یہ کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اس راستے پر چلنے والے ہوں جس پر اللہ کے رسول اور ان کے صحابہ کرامؓ تھے' خواہ وہ کم ہوں یا زیادہ' اور چاہے اُمت کے احوال یا زمان ومکان کا کتنا بھی فرق کیوں نہ ہو۔ اسی لیے عبداللہ بن مسعود h کا فرمان ہے: جماعت وہ ہے جو حق کی موافقت پر ہو چاہے تم اکیلے ہی کیوں نہ ہو۔ ایک دوسری روایت کے الفاظ میں ان کا قول یوں ہے: جماعت' اللہ کی اطاعت کی موافقت ہی میں ہوتی ہے چاہے تم اکیلے ہی کیوں نہ ہو۔ اور وہ احادیث جو افتراقِ اُمت سے متعلق ہیں اور ''یَدُ اللّٰہِ مَعَ الْجَمَاعَۃِ'' وغیرہ ساری اس جماعت حق پر دلالت کرتی ہیں جو اوپر ذکر کیا گیا۔

(۳) الجماعہ کا اطلاق عالم اسلام کی اُن تمام منظم تنظیموں پر ہوتا ہے جن کے دستور اور طریق کار میں قرآن و سنت کے خلاف کوئی چیز موجود نہ ہو اور وہ اقامت دین ونفاذِ شریعت اور دعوتِ دین وغلبۂ دین کے لیے جدوجہد کرتی

☆ ریسرچ ایسوسی ایٹ' شعبہ تحقیق اسلامی' قرآن اکیڈمی لاہور

ہوں' بقول مولانا گوہر رحمٰنؒ وہ سب کی سب الجماعہ یا جماعت المسلمین کی برادر تنظیمیں اور ذیلی شاخیں ہیں' بشرطیکہ وہ طریقۂ کار' حکمت عملی' تنظیم وتربیت کے نظام اور اجتہادی مسائل میں اختلافِ آراء کے باوجود پارٹی تعصب اور فرقہ واریت کے جراثیم سے محفوظ ہوں اور جسد واحد کے مختلف اعضاء کی طرح باہمی تعاون وتناصر کے ساتھ دعوتِ دین' اقامت دین اور غلبۂ دین کے لیے کام کرتی ہوں۔

یہی بات شیخ عبداللہ بن بازؒ نے بھی ذکر کی ہے:

''اگر اسلامی جماعات اہل السنۃ والجماعہ کے عقائد کے مطابق ہیں تو کوئی بات نہیں (یعنی جائز ہے) اگرچہ ایک سے زائد جماعات ہوں' لیکن ان کا ہدف اور طریق ایک ہونا ضروری ہے (یعنی اہل السنۃ والجماعۃ)''۔

(٤) اقامت دین کی جدوجہد کے لیے جماعت کا قیام والتزام لازم ہی نہیں' واجب اور فرض ہے۔

(٥) اُمت مسلمہ کے تمام افراد اگرچہ دعوت الی الخیر اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے مکلّف ہیں' لیکن اس فرض کی ادائیگی ہر فرد کے لیے مشکل بھی ہے اور فرداً فرداً غیر منظّم طور پر یہ کماحقہٗ ہو بھی نہیں سکتا' اس لیے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ تم میں ایسی جماعتیں قائم ہونی چاہئیں جو یہ فرض انجام دیں۔ ایسی جماعتیں گویا پوری اُمت کا فرض ادا کریں گی۔

بقول الشیخ عبداللہ بن بازؒ یہ جماعت اگر ایک ملک کے لیے ہو تو ملکی سطح تک کفایت کرنے والی ہونی چاہئے اور اگر یہ جماعت ایک قبیلے یا ایک گاؤں تک محدود ہو تو قبیلے یا گاؤں والوں کے لیے کفایت کرنے والی ہو۔ اگر یہ جماعت اپنے حلقۂ اثر میں کفایت کرنے والی نہ ہو تو پھر ایسی صورت میں باقی لوگوں سے حکم ساقط نہیں ہوگا بلکہ سب پر فرضِ عین ہوگا' بصورتِ دیگر سب گناہگار رہوں گے۔ یہ رائے امام نووی m کی بھی ہے۔

(٦) اسلامی شعائر کو زندہ رکھنا اسلامی حکومت کا کام ہے لیکن اسلامی حکومت اور حکمران نہ ہوں اور تطبیق شریعت نہ ہو تو ایسی صورت میں یہ کام مسلمانوں کی ذمہ داری اور خاص طور پر علماء کے ذمے ہو جاتا ہے۔ اس سے بھی جماعت سازی کی اہمیت اور ضرورت واضح ہوتی ہے کہ طبعی طور پر جماعت ناگزیر ہے اور اس قسم کے شرعی اُمور بغیر منظّم طریقے کے پیش کرنا ممکن نہیں۔ یہ ہے خلاصہ جماعت سازی سے متعلق سابقہ مباحث کا' واللہ اعلم۔

جماعت سازی کی جو بنیاد اور طریقہ ہمیں قرآن میں ملتا ہے' رسول اللہ ﷺ کی سنت مطہرہ میں نظر آتا ہے اور اُمت مسلمہ کی ١٤٠٠ سالہ تاریخ میں جس کی مثالیں ملتی ہیں' وہ صرف ایک ہے' اور وہ طریقہ بیعت کی بنیاد پر استوار ہے۔ سوال یہ ہے کہ بیعت سے کیا مراد ہے؟

بیعت کا مفہوم

بیعت کے لغوی معنی ہیں اطاعت اور عہد۔ بیعت کی اصطلاح ''بیع'' سے نکلی ہے۔ لسان العرب میں ہے: **البیع ضد الشراء** یعنی ''بیع (فروخت کرنا) شراء (خریدنا) کی ضد ہے''۔ **والبیع شراء ایضاً وھو مع الاضداد** ''اور بیع شراء کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے اور یہ اضداد میں سے ہے''۔ یعنی

دو متضاد معنی دیتا ہے۔لیکن بابِ افتعال سے ابتیاع کے معنی فقط خریدنے کے ہی نہیں فروخت کرنے کے بھی ہیں۔(۱)

قرآن مجید میں لفظ بیع اور اس سے متعلقہ مشتقات پندرہ مرتبہ وارد ہوئے ہیں۔ بصورت بَیْعٌ' بَایَعْتُمْ' یُبَایِعُنَکَ' یُبَایِعُوْنَ' یُبَایِعُوْنَکَ' فَبَایِعْھُنَّ' تَبَایَعْتُمْ' بَیْعِکُمْ(۲)

بیع کے اصل معنی معاہدے کے اختتام پر ہاتھ ملانے کے ہیں اور بیعة بھی اسی سے ہے۔اور شریٰ کے معنی منڈی کی چہل پہل کے ہیں۔ بیعة (ع) اصطلاح میں اس سے ایسا عمل مراد ہے جسے انجام دے کر کوئی شخص یا جماعت کسی دوسرے شخص کے اقتدار کو تسلیم کرلے۔ چنانچہ خلیفہ کی بیعت وہ عمل ہے جس سے اس امر کا اعلان واعتراف مقصود ہوتا ہے کہ وہ اسلامی حکومت کا سربراہ ہے۔

بیعت دراصل اس حرکتِ جسمانی کو کہتے ہیں جو عرب قدیم میں دو شخصوں کے مابین کسی معاہدے کے طے پا جانے کی علامت تھی اور جس میں ہاتھ سے ہاتھ ملایا جاتا تھا۔اور بیعت میں معاہدہ کی علامت مصافحہ تھا۔ چونکہ ایک سردار کا انتخاب اور اس کی حاکمیت کو تسلیم کر لینے کا عہد ہاتھ سے ہاتھ ملا کر کیا جاتا تھا' لہٰذا اس کے لیے وہی لفظ ''بیعت'' بولا جانے لگا۔ بیعت کرتے وقت بھی بیعت لینے والا اپنا ہاتھ بیعت کرنے والے کے ہاتھ پر رکھتا ہے۔ بلکہ صوفیہ کے بعض سلسلوں میں پیر مرید کا ہاتھ تھام کر بیعت لیتا ہے۔(۳)

علامہ ابن قدامہ فرماتے ہیں:

ان من اتفق المسلمون علی امامته وبیعته وجبت معونته(٤)

''جس کی حکومت پر مسلمانوں نے اتفاق کرلیا ہو اور انہوں نے اس کی بیعت کر لی ہو تو اس کی حکومت قائم ہو جائے گی اور اس کی مدد واجب ہو جائے گی''۔

ابن منظور افریقی نے بیعت کا مفہوم اس طرح بیان کیا ہے:

عبارة عن المعاقدة والمعاهدة كان كل واحد منها باع ما عنده من صاحبه واعطا خالصة نفسه وطاعته ودخیلة امره وقد تکرر ذکرها فی الحدیث(٥)

''بیعت اور مبایعت عبارت ہے دوطرفہ عہد و پیمان سے' گویا ہر ایک نے دوسرے پر اپنا سب کچھ فروخت کر دیا ہے' اس کو اپنا دل اور نفس دے دیا ہے' اپنی اطاعت اور مخصوص امور اس کے سپرد کر دیے ہیں۔ بیعت کا ذکر حدیث میں بار بار آیا ہے''۔

قرونِ اولیٰ میں بیعت کا طریقہ ہاتھ سے ہاتھ ملانا تھا۔عوام کی جانب سے اعانت واطاعت کا وعدہ ہوتا تھا اور حکمران کی جانب سے قرآن وسنت کی پیروی' عوام کی خیرخواہی' قیامِ عدل اور دیگر فرائض حکومت ادا کرنے کا وعدہ کیا جاتا تھا۔ ہاتھ ملانا اسی دوطرفہ معاہدے اور معاونت واخوت کی ظاہری علامت تھی۔

بیعت کا شرعی پس منظر

بیعت ثابت ہے قرآن مجید سے اور سنت رسول اکرم ﷺ سے اور خلفاء راشدین کے دورِ خلافت اور اسلامی تاریخ سے !☆

بیعت قرآن مجید سے

(۱) بیعت الرضوان

بیعت الرضوان جس کو بیعة الشجرة بھی کہتے ہیں (جو ۶ ھجری میں صلح حدیبیہ کے موقع پر لی گئی تھی) یہ بیعت دراصل ایک ایسا اقرار نامہ ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی خوشنودی کا اظہار فرمایا۔ یہ اقرار نامہ صلح حدیبیہ سے کچھ دیر پہلے وقوع پذیر ہوا۔ آنحضور ﷺ اپنے صحابہ j کے ساتھ عمرہ کے ارادے سے آئے تھے اور مکہ سے چند میل کے فاصلے پر حدیبیہ کے مقام پر پڑاؤ ڈالا تھا۔ آپ ﷺ نے حضرت عثمان h کو اپنا ایلچی بنا کر قریش مکہ کے پاس بھیجا کہ آپ ﷺ اور آپؐ کے صحابہ کرام j کو طواف اور عمرے کی اجازت دی جائے‘ اس کے علاوہ مسلمانوں کو کسی بات سے غرض نہ ہوگی۔ اہل قریش نے حضرت عثمان h کو کچھ دیر کے لیے روک لیا۔ اسی دوران میں یہ خبر پھیل گئی کہ حضرت عثمان h کو شہید کر دیا گیا ہے۔ ان کے واپس نہ آنے کی صورت میں مسلمانوں کے لیے اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں رہا تھا کہ وہ بدعہدوں کے ساتھ جنگ کریں۔ اسی لیے آنحضور ﷺ نے اپنے تمام ساتھیوں کو جمع کیا اور ان سے اس امر پر بیعت لی۔ چودہ سو مسلمانوں کی تمام جمعیت نے آپ ﷺ کے دستِ مبارک پر مر مٹنے کی قسم کھائی۔ اس بیعت کو ''بیعت رضوان'' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ بعدازاں جب معلوم ہوا کہ حضرت عثمان h کی شہادت محض افواہ تھی‘ تو مسلمان ارادۂ جنگ سے باز آ گئے۔ قرآن مجید میں اس بیعت کا ذکر یوں آیا ہے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ﴾ (الفتح: ۱۰)

''(اے نبی ﷺ) جو لوگ تم سے بیعت کر رہے تھے وہ دراصل اللہ تعالیٰ سے بیعت کر رہے تھے‘ ان کے ہاتھ پر اللہ کا ہاتھ تھا۔''

آگے ان بیعت کرنے والوں کو بایں الفاظ مبارکہ بشارت دی جاتی ہے کہ:

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝﴾ (الفتح)

''اللہ تعالیٰ مؤمنوں سے راضی ہوگیا جب وہ درخت کے نیچے تم سے بیعت کر رہے تھے‘ ان

☆ نوٹ: ذیل میں ہمارے پیش کردہ بعض دلائل کا تعلق اگرچہ بیعت کبریٰ سے ہے‘ لیکن ان کا ذکر بطور تمہید کیا گیا ہے اور اپنے مدعا کے (بیعت صغریٰ یعنی تنظیمی بیعت) ثابت کرنے کے لیے آئندہ صفحات میں تفصیلی بحث کی جائے گی۔

کے دلوں کا حال اسے معلوم تھا' اس لیے اس نے ان پر سکینت نازل فرمائی اور انہیں انعام میں قریبی فتح بخشی۔''

بیعت رضوان کے بارے میں بانیٔ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد حفظہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

''حدیبیہ میں یہ بیعت درحقیقت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جان نثار کرنے کی وہ پیشکش تھی جس کے نتیجے میں مؤمنین کے قلوب پر سکینت کا نزول بھی ہوا اور ان کو 'فَتْحًا قَرِيْبًا' ' جس سے مراد صلح حدیبیہ کے بعد اسلام کے پھیلنے کے جو مواقع میسر آئے وہ بھی ہو سکتے ہیں اور فتح مکہ بھی' کی بشارت دی گئی۔ اس سے اللہ تعالیٰ کی یہ سنت بھی سامنے آتی ہے کہ جب مؤمنین صادقین کی ایک معتد بہ جماعت پورے عزم کے ساتھ' اپنے آپ کو بغیر کسی خوف وخطر کے' کسی خطرے کے منہ میں جھونکنے کے لیے تیار ہو جاتی ہے اور ہر چہ باداباد پر عمل کا پختہ فیصلہ کر لیتی ہے تو سکینت یعنی اطمینان ونشاطِ قلبی سے بھی اسے سرشار کیا جاتا ہے اور اس کے لیے کامیابی کی بشارت بھی ملتی ہے''۔(٦)

(۲) بیعت النساء

بیعت کا یہ عمل صرف مردوں تک خاص نہیں تھا' بلکہ خواتین بھی بیعت میں شامل تھیں۔ بیعة النساء وہ بیعت ہے جو نبی اکرم ﷺ نے خواتین سے لی تھی' اس کا ذکر واضح الفاظ میں قرآن حکیم میں موجود ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۞﴾ (الممتحنة)

''اے نبی (ﷺ) جب تمہارے پاس مؤمن عورتیں اس بات پر بیعت کرنے کے لیے آئیں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں گی' چوری نہ کریں گی' زنا نہ کریں گی' اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گی اور اپنے ہاتھ پاؤں کے آگے کوئی بہتان گھڑ کر نہ لائیں گی اور کسی امرِ معروف میں تمہاری نافرمانی نہ کریں گی' تو ان سے بیعت لے لو اور ان کے حق میں دعائے مغفرت کرو' یقیناً اللہ درگزر فرمانے والا رحم کرنے والا ہے۔''

بیعت سنت رسول اکرم ﷺ سے

(۱) بیعت عقبہ اولیٰ

رسول اللہ ﷺ کی سیرت اور سنت سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے ایک سے زائد مرتبہ اپنے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بیعت طلب کی ہے۔ اسی طرح ہجرتِ مدینہ سے قبل عقبہ کے مقام پر دو مرتبہ بیعت لی ہے۔ ان میں سے پہلی بیعت عقبہ اولیٰ اور دوسری بیعت عقبہ ثانیہ کے نام سے مشہور ہوئی۔

بیعت عقبہ اولیٰ وہ اقرار ہے جو ۱۲ نبوی میں یثرب (مدینہ منورہ) کے بارہ آدمیوں نے آنحضور ﷺ کے دست مبارک پر کیا۔ جب مکہ مکرمہ اور طائف کے مشرکین نے آنحضور ﷺ کو دل برداشتہ کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی تبلیغ کے لیے ایک نیا باب کھول دیا۔ یثرب سے ہر سال لوگ حج کرنے مکہ مکرمہ آتے تھے۔ آنحضور ﷺ نے ان لوگوں کے سامنے اسلام پیش کیا۔ مدینہ منورہ کے لوگ یہودیوں سے ایک نئے نبی کے آنے کی پیشین گوئیاں سنتے رہتے تھے۔ جب آنحضور ﷺ نے ان کے سامنے اسلام پیش کیا تو انہیں یقین ہو گیا کہ یہ وہی رسول ہے جس کا ذکر یہودی علماء اکثر کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ ۱۱ نبوی میں قبیلہ خزرج کے چھ افراد نے اسلام قبول کر لیا اور مدینہ جا کر اسلام کا پیغام دوسرے لوگوں تک پہنچایا۔ اگلے سال حج کے موقع پر یثرب کے بارہ افراد مکہ مکرمہ میں حاضر ہوئے اور انہوں نے آنحضور ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ یہ بیعت چونکہ عقبہ کے مقام پر لی گئی تھی' اس لیے اسے بیعت عقبہ اولیٰ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ان لوگوں نے جن باتوں پر آنحضور ﷺ سے بیعت کی تھی وہ تقریباً وہی الفاظ تھے جو بیعت النساء کے حوالہ سے **سورۃ الممتحنۃ** میں وارد ہوئے ہیں۔ یعنی: (۱) ہم خدائے واحد کی عبادت کیا کریں گے اور کسی کو اس کا شریک نہیں بنائیں گے۔ (۲) ہم چوری اور (۳) زنا کاری نہیں کریں گے۔ (۴) ہم اپنی اولاد (لڑکیوں) کو قتل نہیں کریں گے۔ (۵) ہم نبی ﷺ کی اطاعت ہر اچھی بات میں کیا کریں گے۔

ان بارہ (۱۲) افراد کے نام یہ ہیں: (۱) ابوامامہ (اسعد بن زرارہ) (۲) عوف بن الحارث (۳) رافع بن مالک (۴) قطبہ بن عامر (۵) عقبہ بن عامر (۶) معاذ بن حرث (۷) ذکوان بن عبدقیس (۸) خالد بن مخلد (۹) عبادہ بن صامت (۱۰) عباس بن عبادہ (۱۱) ابوالہیثم (۱۲) عویم بن ساعدہ۔ اس کے بعد آنحضور ﷺ نے مصعب بن عمیر h کو مسلمانوں کے ساتھ تبلیغ اسلام کے لیے یثرب (مدینہ) روانہ کیا۔ انہوں نے مدینہ منورہ کے مسلمانوں کی قیادت فرمائی اور تعلیم و تربیت اور تنظیم و دعوت کا کام آگے بڑھایا۔ اس کام میں اسعد بن زرارہ h نے ان کی بہت زیادہ مدد فرمائی تھی۔ (۷)

(۲) بیعت عقبہ ثانیہ

بیعت عقبہ اولیٰ کے اگلے سال ۱۳ نبوی میں حج کے موقع پر مدینہ منورہ سے ۷۵ افراد مکہ مکرمہ آئے اور انہوں نے عقبہ کے مقام پر آنحضور ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس بیعت کو بیعت عقبہ ثانیہ کہتے ہیں۔ اس موقع پر مدینہ منورہ کے لوگوں نے آپ ﷺ کو دعوت دی کہ آپؐ اور آپؐ کے رفقاء مدینہ تشریف لے چلیں' وہاں اسلام کی تبلیغ کے لیے زیادہ کام ہو سکے گا۔ آنحضور ﷺ نے آمادگی ظاہر کی۔ آپؐ کے چچا حضرت عباسؓ بھی وہاں موجود تھے' مگر ابھی اسلام نہیں لائے تھے۔ انہوں نے کہا لوگو تمہیں معلوم ہے کہ قریش مکہ محمد ﷺ کے جانی دشمن ہیں۔ اگر تم ان سے کوئی عہد باندھنے لگو تو پہلے سمجھ لینا کہ یہ نازک اور مشکل کام ہے۔ محمد ﷺ سے عہد و پیمان کرنا سرخ اور سیاہ لڑائیوں کو دعوت دینا ہے۔ جو کچھ کرو سوچ سمجھ کر کرو' ورنہ بہتر ہے

کہ کچھ بھی نہ کرو۔ان لوگوں نے حضرت عباس کو کوئی جواب نہ دیا۔ ہاں آنحضورﷺ سے عرض کیا کہ کچھ آپؐ ارشاد فرمائیں۔آپﷺ نے انہیں اللہ تعالیٰ کا کلام پڑھ کر سنایا۔ پھر آپﷺ نے فرمایا: (۱) کیا تم دینِ حق کی اشاعت میں میری پوری پوری مدد کرو گے؟ اور (۲) جب میں تمہارے شہر جا بسوں' کیا تم میری اور میرے ساتھیوں کی حمایت اپنے اہل وعیال کی مانند کرو گے؟ ان لوگوں نے پوچھا: ایسا کرنے پر ہم کو کیا معاوضہ ملے گا؟ آنحضورﷺ نے فرمایا: ''جنت''۔انہوں نے دوبارہ عرض کیا: یارسول اللہﷺ! ہمیں یہ یقین دلا دیجیے کہ آپ ہمیں کبھی نہ چھوڑیں گے۔آپﷺ نے فرمایا: نہیں' میرا جینا' میرا مرنا تمہارے ساتھ ہوگا۔اس آخری فقرے کو سنتے ہی یہ لوگ آپﷺ کے ہاتھ پر بیعت کرنے لگے۔ براء بن معرور h نے سب سے پہلے بیعت کی۔ یہ بیعت ''بیعت عقبہ ثانیہ'' کے نام سے مشہور ہے۔ بیعت کے بعد آنحضورﷺ نے ان میں سے بارہ (۱۲) اشخاص کا انتخاب کیا اور ان کا نام نقیب رکھا اور انہیں اہل یثرب (مدینہ) میں تبلیغ اسلام کا حکم دیا۔[۸]

نقباء کا تقرر

بیعت لینے کے بعد رسول اللہﷺ نے فرمایا: مجھے اپنے میں سے بارہ نقیب یعنی معتمد نمائندے پسند کر کے دے دو' جو اپنے قبیلے کے اسی طرح ذمہ دار اور کفیل ہوں گے جس طرح عیسیٰ d کے حواری کفیل تھے۔ انہوں نے بنوخزرج میں سے ۹ اور بنواوس میں سے ۳ نمائندے منتخب کر کے دے دیے۔ابن حزم' ابن جریر' ابن ہشام' ابن سعد نے ان کے یہ نام نقل فرمائے ہیں:

(الف) **بنو خزرج**: (۱) اسعد بن زرارہ نقیب النقباء (چیئرمین) (۲) سعد بن ربیع (۳) عبداللہ بن رواحہ (۴) رافع بن مالک (۵) براء بن معرور (۶) عبداللہ بن عمرو بن حرام (۷) عبادہ بن صامت (۸) سعد بن عبادہ (۹) منذر بن عمر

(ب) **بنو اوس**: (۱) اسید بن حضیر (۲) رفاعہ بن عبدالمنذر (۳) سعد بن خیثمہ۔ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔[۹]

اس بیعت کے بعد مسلمانوں نے ہجرت کی اور تقریباً اڑھائی ماہ بعد خود رسول اللہﷺ نے بھی ہجرت فرما کر مدینہ منورہ کو اسلام کا مرکز بنا دیا۔نقیبوں کا تقرر اور دونوں بیعتوں میں اطاعت کے ساتھ امداد و نصرت اور جہاد کا وعدہ لینا اس بات کا ثبوت ہے کہ بیعت عقبہ اصل میں اسلامی ریاست کی تمہید تھی اور دعوت کے ساتھ ایک سیاسی حکمت عملی بھی تھی۔

بیعت کی اقسام

رسول اللہﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے جو مختلف اوقات میں' کئی قسم کے عہد لیے ہیں تو آپﷺ نے ہمیشہ بیعت ہی کا معاملہ فرمایا۔ چنانچہ علم حدیث کے ایک عظیم عالم

امام النسائی m نے دس مختلف اقسام کی بیعتوں کا ذکر کیا ہے جو آنحضورﷺ نے اپنے صحابہ کرام j سے لی تھیں: (۱) سمع وطاعت کی بیعت۔ (۲) ہمیشہ سچ بولنے پر بیعت۔ (۳) اس بات پر بیعت کہ حضورﷺ کو صحابہؓ میں سے کسی کو بھی ترجیح دینے کا اختیار ہوگا۔ (۴) اس بات کا عہد کہ ہم میدانِ جنگ سے نہ بھاگیں گے۔ (۵) اس بات کا وعدہ کہ ہم جہاد کریں گے۔ (۶) اس بات پر بیعت کہ ہم ہمیشہ عدل پر مبنی بات کہیں گے۔ (۸) ہر مسلمان کی خیر خواہی کی بیعت۔ (۹) اللہ کے راستے میں جان قربان کرنے پر بیعت۔ (۱۰) اس بات کا عہد کہ ہم رسول اللہﷺ کے حکم پر اپنے گھروں کو چھوڑ دیں گے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وعدہ لینے اور نظم قائم کرنے کا واحد طریقہ جو ہمیں رسول اللہﷺ کی سیرت اور سنت سے ملتا ہے وہ بیعت پر مبنی ہے۔ چنانچہ غزوۂ احزاب کے موقع پر جب صحابہ کرام j خندق کھود رہے تھے تو ان کی زبانوں پر یہ شعر جاری تھا:

نَحْنُ الَّذِیْنَ بَایَعُوْا مُحَمَّدًا
عَلَی الْجِھَادِ مَا بَقِیْنَا اَبَدًا [۱۰]

بیعت خلفاءِ راشدین کے دورِ خلافت میں

(۱) بیعت ابوبکر صدیق h

صحیح بخاری کی روایات کا خلاصہ درج ذیل ہے: سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار ومہاجرین کے درمیان انتخابِ خلیفہ کے مسئلے پر پوری آزادی کے ساتھ مباحثہ ہوا' لیکن آخر میں حضرت عمر h کی تجویز پر مدینے کے لوگوں نے' جو اس وقت عملاً پوری قوم کے معتمد نمائندوں کی حیثیت رکھتے تھے' برضا ورغبت ابوبکر h کو پسند کر کے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اس پر تمام لوگوں نے آپؓ کی بیعت کر لی۔ حدیث کے الفاظ ہیں: **فَبَایَعَهُ وَبَایَعَهُ النَّاسُ**[۱۱] دوسرے مقام پر الفاظ اس طرح آتے ہیں: **وَبَایَعَهُ الْمُھَاجِرُوْنَ ثُمَّ بَایَعَتْهُ الْاَنْصَارُ**[۱۲] ''بیعت کی ابوبکر h کی مہاجرین نے اور پھر بیعت کی ان کی انصار نے''۔ یہ بیعت خاصہ تھی جس میں مرکز میں موجود سارے مسلمان شریک نہیں ہو سکے تھے۔ دوسرے روز مسجد نبویؐ میں بیعت عامہ ہوئی جس میں سب لوگ شریک ہوئے۔ (**فَبَایَعَهُ النَّاسُ عَامَّةً**[۱۳] بیعت ابوبکر صدیق h کی تفصیلات مسند احمد' مصنف عبدالرزاق اور مجمع الزوائد میں بھی نقل ہوئی ہیں۔ ان کتابوں میں بھی یہ بات آئی ہے کہ مدینہ منورہ کے انصار ومہاجرین سب نے آپ کی بیعت کی تھی۔[۱۴]

(۲) بیعت حضرت عمر فاروق h

حضرت ابوبکر صدیق h نے اپنے مرضِ موت میں حضرات عبدالرحمٰن بن عوف' عثمان بن عفان' سعید بن زید' اسید بن حضیر اور دیگر مہاجرین وانصار j سے حضرت عمر h کے متعلق مشورہ کیا۔ ان اکابر

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مشورہ اور رائے لینے کے بعد حضرت عثمان h سے کہا کہ عمر کے بارے میں میری وصیت لکھ لو۔ انہوں نے لکھ کر مہر لگا دی اور باہر جا کر لوگوں سے پوچھا: اَتُبَایِعُوْنَ لِمَنْ فِیْ هٰذَا الکِتَاب؟ فَقَالُوا نعَمْ. فَاقَرُّوا بِذٰلِکَ وَرَضُوا وَبَایَعُوْ ’’کیا تم لوگ اس شخص کی بیعت کرتے ہو جس کا نام اس خط میں لکھا ہے؟ سب نے کہا: ہاں! چنانچہ سب نے ابوبکر صدیق h کی تجویز کو تسلیم کرلیا‘ راضی اور مطمئن ہو گئے اور عمر h کی بیعت کرلی‘‘۔(۱۵) حضرت ابوبکر صدیق h نے وصیت نامہ لکھوانے سے قبل مہاجرین وانصار کے ممتاز و معتمد نمائندوں کی رائے حاصل کی۔ ان کی رائے کے مطابق وصیت نامہ لکھوایا اور پھر مدینہ کے عام لوگوں سے استصواب کرایا۔ انہوں نے اپنی آزاد مرضی سے حضرت عمر h کی بیعت کی۔ تب جا کر خلافت فاروقی کو قانونی حیثیت حاصل ہوئی۔ ابوبکر صدیق h کی وصیت تو صرف ایک تجویز تھی‘ جس کو مسترد بھی کیا جا سکتا تھا‘ لیکن مسلمانوں نے اس کو قبول کرلیا۔(۱۶)

(۳) بیعت حضرت عثمان غنی h

زخمی ہونے کے بعد حضرت عمر h نے فرمایا: میری رائے میں ان چھ افراد سے زیادہ اہل اور موزوں کوئی نہیں ہے جن سے رسول اللہ ﷺ وفات کے وقت تک خوش تھے‘ یعنی حضرت عثمان غنی‘ حضرت علی المرتضیٰ‘ حضرت زبیر‘ حضرت طلحہ‘ حضرت سعد اور حضرت عبدالرحمٰن j۔ مشورے میں میرے بیٹے عبداللہ بن عمر i کو بھی شریک کر سکتے ہو‘ مگر خلافت میں اس کا کوئی حق نہیں ہوگا۔ اگر سعد بن ابی وقاص h کو خلافت مل گئی تو بہت اچھا ہوگا ورنہ جو بھی خلیفہ ہو اسے چاہیے کہ ان کی مدد حاصل کرلیا کرے۔ اس کے بعد آئندہ ہونے والے خلیفہ کو مہاجرین وانصار‘ دیہی آبادی اور غیر مسلم اقلیتوں کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت فرمائی۔ چھ افراد کی اس کمیٹی نے خلیفہ تجویز کرنے کا اختیار عبدالرحمٰن بن عوف h کو دے دیا۔ انہوں نے اہل مدینہ کے ساتھ طویل مشورے کیے۔ بخاری شریف‘ کتاب الاحکام کی روایت میں آیا ہے کہ لوگ تین رات تک عبدالرحمٰن بن عوف h کے پاس اپنی رائے دینے کے لیے آتے رہے۔ اس استصواب عام کے بعد حضرت علی اور حضرت عثمان i دونوں سے قرآن وسنت کی اطاعت کا وعدہ لیا اور کہا کہ مدینہ کے لوگ حضرت عثمان h ہی کو پسند کرتے ہیں‘ اس لیے ان کی بیعت کرلو۔ چنانچہ حضرت علی h اور مدینہ کے تمام لوگوں نے ان کی بیعت کرلی۔ (فَبَایَعَ لَهٗ عَلِیٌّ وَوَلَجَ اَهلُ الدَّارِفَبَایَعُوهُ)(۱۷)

بخاری شریف‘ کتاب الاحکام کی روایت میں عبدالرحمٰن بن عوف h کا قول اس طرح نقل ہوا ہے:

فَلَمْ اَرٰهُمْ یَعْدِلُوْنَ بِعُثْمَانَ ...... فَبَایَعَهُ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ وَبَایَعَهُ النَّاسُ الْمُهَاجِرُوْنَ وَالْاَنْصَارُ وَاُمَرَاءُ الْاَجْنَادِ وَالْمُسْلِمُوْنَ (۱۸)

’’لوگ عثمانؓ کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے...... عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے عثمانؓ کی بیعت کی۔ عام لوگوں اور

مہاجرین وانصار نے بھی ان کی بیعت کی اورفوجی افسروں نے بھی ان کی بیعت کی (جوجج کے لیے آئے ہوئے تھے)''۔

(۴) بیعت حضرت علی h

حضرت عثمان h کی شہادت کے بعد اصحاب رسولؐ نے حضرت علی h سے درخواست کی کہ خلافت کی ذمہ داری قبول کیجیے۔ آپؓ نے فرمایا میرا وزیر رہنا زیادہ بہتر ہے۔ لوگوں نے کہا کہ ہم تو آپ ہی کی بیعت کریں گے۔ اس پر حضرت علی h نے فرمایا میری بیعت مسجد میں ہوگی' خفیہ نہیں ہوگی اور مسلمانوں کی آزاد مرضی کے بغیر مکمل نہیں ہوگی۔ جب آپ مسجد میں تشریف لے گئے تو مہاجرین وانصار اور عام لوگوں نے بالاتفاق آپ کی بیعت کر لی۔ (۱۹)

بیعت اسلامی تاریخ سے

رسول اللہ ﷺ کے مبارک ایام سے لے کر خلفاءِ راشدین کے دَور تک اور خلافتِ راشدہ سے لے کر خلافتِ عثمانی (۱۹۲۶ء) تک جتنی بھی اسلامی خلافتیں اور حکومتیں بنی ہیں وہ بیعت کے مسنون طریقے پر بنی ہیں' بلکہ آج بھی بعض نام نہاد حکمرانوں کی حکومتیں بیعت کے زیر سایہ رواں دواں ہیں۔ رہی یہ بات کہ یہ حکومتیں جائز تھیں یا نہیں' یہ ایک الگ موضوع ہے' جس پر تفصیلی گفتگو پھر کبھی ہوگی۔ لیکن ایک چیز اسلامی تاریخ سے واضح اور ثابت ہے اور وہ ہے بیعت۔

بیعت کا حکم

سنتِ رسولؐ اور سیرتِ صحابہؓ سے کیا سبق ملتا ہے؟ اسلامی ریاست کے معاملات جس کے سپرد کیے جائیں' اہل ایمان کے لیے اس کی اطاعت ضروری ہے' جب تک وہ اللہ کی اطاعت پر قائم رہے۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے لگے تو اس کی فرماں برداری نہ کی جائے۔ از روئے حدیث نبویؐ:

((لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِیْ مَعْصِیَةِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ)) (۲۰)

''اللہ بزرگ و برتر کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت نہیں ہے''۔

ایک اور حدیث میں ہے:

((لَا طَاعَةَ فِیْ مَعْصِیَةِ اللّٰهِ)) (۲۰)

''کسی کا حکم ماننا جائز نہیں ہے' جب وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں ہو''۔

اس حدیث کے تحت تمام لوگ داخل ہیں' مسلمانوں کا امیر' امام' عالم دین' خاوند' باپ بھائی وغیرہ۔ حضرت عبادہ بن صامت h کہتے ہیں:

((بَایَعْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِی الْعُسْرِ وَالْیُسْرِ وَالْمَنْشَطِ

وَالْمَکْرَہِ))(۲۱)

''ہم نے رسول اللہ ﷺ کی سننے اور اطاعت کرنے کی شرط پر بیعت کی' خواہ اس میں تنگی ہو یا آسانی' خوشی کی صورت ہو یا ناخوشی کی (ہر حال میں اطاعت امیر فرض ہے)''۔

ایک اور حدیث میں ہے:

((اَلسَّمْعُ وَالطَّاعَةُ عَلَی الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ فِیْمَا اَحَبَّ وَکَرِہَ مَا لَمْ یُؤْمَرْ بِمَعْصِیَةٍ' فَاِذَا اُمِرَ بِمَعْصِیَةٍ فَلَا سَمْعَ وَلَا طَاعَةَ))(۲۲)

''ہر مسلمان پر سننا اور اطاعت کرنا لازم ہے' خواہ وہ حکم اسے پسند ہو یا ناپسند ہو' جب تک کہ اسے گناہ کا حکم نہیں دیا جاتا۔ پھر اگر اسے گناہ کا حکم دیا جائے تو پھر نہ بات سنی جائے گی اور نہ ہی اطاعت کی جائے گی''۔

ہاں خلیفہ یا صاحب امر اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کر رہا ہو تو پھر اطاعت واجب ہے اور اگر صاحب امر اپنی اطاعت کا دعوے دار ہو تو اس کی اطاعت بھی معصیت خداوندی سمجھی جائے گی اور یہ بھی فسق ہو گا' کیونکہ غیر اللہ کی حاکمیت کفر ہے' ظلم ہے اور فسق ہے۔

اگر اہل ایمان جاہلیت اور یہود و نصاریٰ کی حکمرانی کی ولاء پرستی کریں گے تو ان کی ملتوں سے منسوب ہوں گے۔ قرآن نے کہا ہے کہ جو اُن سے ولاء (دوستی و وفاداری) کرتا ہے وہ انہی میں سے ہے:

﴿وَمَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ۝﴾ (المائدۃ)

''اور تم میں سے جو اُن کے ساتھ وفاداری کرے گا وہ ان ہی میں سے ہو گا' بے شک اللہ ظالم قوم کی رہنمائی نہیں کرتا''۔

خلاصۂ کلام یہ کہ اسلامی ریاست میں مسلمان حکمران کا جائز حکم ماننا واجب ہے اور گناہ یعنی غیر شرعی حکم ماننا ناجائز ہے' بلکہ اس کا نہ ماننا واجب ہے۔ یہ حکم تو امامت عظمیٰ اور بیعت کبریٰ سے متعلق تھا۔ سوال یہ ہے کہ جماعتی بیعت کی کیا حیثیت ہے؟ اہل علم کے نزدیک بیعت صغریٰ یعنی تنظیمی بیعت امارت صغریٰ کے عقد کے تحت درج ہے۔ اور بقول علماء کرام(۲۳) یہ ایک جائز کام کا عقد ہے' بلکہ بعض اوقات واجب ہوتی ہے اور اس پر وفا کرنا شرعاً لازمی ہے۔ استدلال کے طور پر یہ آیت مبارکہ پیش کی جاتی ہے:

﴿وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا ۝﴾ (الاسراء)

''اور عہد کو پورا کرو' یقیناً عہد کے بارے میں باز پرس ہو گی''۔

علماء کرام کا کہنا ہے کہ یہ بیعت دراصل ایک عہد ہے اور مذکورہ دلیل کی روشنی میں عہد پر وفا کرنا واجب ہے' لہٰذا بیعت کبریٰ کی عدم موجودگی میں بیعت صغریٰ ہے اور ''مالا یتم الواجب الا به فھو واجب'' کے مصداق اس پر عمل کرنا ضروری تصور ہو گا۔

بیعت کی صفت اور صورتیں

بعثت نبوی ﷺ سے لے کر بیسویں صدی کے اوائل تک ایسی صورت میں جب ۱۹۲۴ء میں خلافتِ عثمانیہ کا اختتام ہوا' بیعت کی متعدد صورتیں سامنے آئی ہیں۔ تفصیل درج ذیل ہے:

(۱) کلام اور مصافحہ دونوں: جیسا کہ بیعت الرضوان میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کیا' جس کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ﴾ (الفتح: ۱۰)

''جو لوگ تم سے بیعت کر رہے تھے وہ دراصل اللہ تعالیٰ سے بیعت کر رہے تھے۔ ان کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ تھا۔''

اور کلام عبادہ بن صامتؓ والی حدیث سے ثابت ہے۔ یہ عمل رسول اللہ ﷺ کے دور سے لے کر بنواُمیہ کے دور تک جاری رہا۔ بنواُمیہ کے دَور میں حجاج نے مزید چیزوں کا اضافہ کیا' جیسا کہ طلاق قسم وغیرہ۔ عباسی دور تک بدعت کا یہ سلسلہ جاری رہا' یہاں تک کہ امام مالک m نے ایسی بیعات کے خلاف فتویٰ دیا اور نتیجے میں ان کو اذیت اٹھانی پڑی۔

(۲) کلام: بعض اوقات صرف کلام پر بیعت تمام ہوئی' جیسا کہ بیعة النساء میں ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اِرْجِعْ فَقَدْ بَایَعْتُکِ))[۲۴] ''تم رخصت ہو جاؤ' میں نے تم سے بیعت لے لی ہے''۔ اور اُمیہ بنت رقیقہ k کی روایت میں ہے: ((اِنِّیْ لَا اُصَافِحُ النِّسَاءَ))[۲۵] ''میں خواتین سے مصافحہ نہیں کرتا''۔

(۳) کتابت: ایسا بھی ہوا کہ صرف کتابت کے ذریعے بیعت تمام ہوئی۔ اس قسم کی بیعت کی بہترین مثال نجاشی کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کے لیے وہ لکھا ہوا خط ہے' جس کے آخر میں درج ہے:

وقد بایعتک وبایعت ابن عمک واصحابک واسلمت علی یدیه لله رب العالمین[۲۶]

''اور میں نے آپ کے ساتھ بیعت کی اور آپ کے چچا زاد کے ساتھ اور آپ کے اصحاب کے ساتھ' اور میں اسلام لاتا ہوں ان کے ہاتھ پر اللہ کے لیے جو ربّ العالمین ہے''۔

اور اسی طرح عبداللہ بن عمر i کی وہ بیعت ہے جو عبدالملک بن مروان کے لیے لکھی تھی:

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم . اما بعد! لعبد الملک بن مروان امیر المؤمنین سلام علیک' فانی احمد الیک اللّٰہ الذی لا اله الّا ھو وأقر لک بالسمع والطاعة علی سنة اللّٰہ ورسوله فیما استطعت[۲۷]

(۴) قرینة الحال: یعنی حالات اور ظروف کے مطابق بیعت کرنا۔ یہ بیعت عقود کی ساری قسموں میں جائز ہے' صرف عقد نکاح میں جائز نہیں ہے۔ پس ایک مسلمان کا کسی تنظیم کے پروگرامات کا انتظام وانصرام

اس کی قیادت سے سمع وطاعت کا عہد اور شراکت اور ممبر شپ' یہ سب عبارت ہیں جانبین کی رضا پر۔ اسی پر عہد منعقد کیا جاتا ہے اور اسی کو قرینة الحال کہتے ہیں' اگرچہ مندرجہ بالا مراتب سے اس کا درجہ کم ہے۔

طریقۂ انتخاب

ہمارے سیاسی مفکروں نے نصب امام کے تین طریقے بتائے ہیں' جن کے مطابق خلفاءِ راشدین کا تقرر عمل میں آیا تھا۔ ان تینوں طریقوں میں سے موقع ومحل دیکھ کر جس طریقے پر بھی عمل کر لیا جائے وہی طریقہ صحیح اور شریعت کے عین مطابق ہوگا۔

ہمارے پاس پہلی مثال حضرت ابوبکر صدیق h کے انتخاب کی ہے۔ ان کا انتخاب مجمع عام میں ہوا تھا اور ان کی خلافت پر صحابہ کرامؓ کا اجماع ہے۔ اس طریقے کو موجودہ اصطلاح میں عام انتخابات کہہ سکتے ہیں۔ دوسری مثال حضرت عمر فاروق h کے تقرر کی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق h نے اپنی وفات سے قبل اکابر صحابہؓ سے مشورہ کر کے حضرت عمر فاروق h کو اپنا جانشین نامزد کیا تھا۔ اس لیے اگر حالات عام انتخابات کی اجازت نہ دیں تو نامزدگی بھی ہو سکتی ہے۔ امام ابوالحسن علی الماوردی نے نامزدگی کے اصول کو بھی نصب امام کا صحیح طریقہ تسلیم کیا ہے۔ امام موصوف فرماتے ہیں کہ جس طرح حضرت شارع d نے جنگ موتہ کے موقع پر سیدنا زید بن حارثہ' عبداللہ بن رواحہ اور جعفر بن ابی طالب j کو بالترتیب ایک دوسرے کا جانشین مقرر فرمایا تھا' بعینہٖ ایک امام بھی اپنے بعد ایک تو کیا بالترتیب دو تین جانشین نامزد کر سکتا ہے۔(۲۸)

ہمارے سامنے تیسری مثال حضرت عثمان غنی h کے تقرر کی ہے۔ حضرت عمر فاروق h نے اپنی وفات سے قبل حضرت عبدالرحمٰن بن عوف' حضرت عثمان' حضرت علی' حضرت زبیر' حضرت طلحہ اور حضرت سعد بن ابی وقاص j پر مشتمل ایک کمیٹی بنا دی اور اپنے جانشین کا معاملہ ان پر چھوڑ دیا۔ انہوں نے کافی سوچ بچار کے بعد باہمی صلاح و مشورہ سے کتاب و سنت اور شیخین کریمینؓ کی پیروی کی شرط پر حضرت عثمان h کے ہاتھ پر بیعت کر لی' اسے ہم موجودہ اصطلاح میں انتخابی عمل کہتے ہیں۔(۲۹)

آج کل مندرجہ بالا طریقوں کا قیاس اسلامی تحریکوں پر کیا جا سکتا ہے' بلکہ بعض اسلامی تحریکیں مندرجہ بالا میں سے کسی ایک پر عمل پیرا بھی ہیں جو کہ مذکورہ واقعات کی روشنی میں جائز ہے۔ چونکہ طریقۂ انتخاب میں مذکورہ تین طریقے ثابت ہیں' لہٰذا پہلا حق تو اسلامی ریاست کا ہے کہ مذکورہ تین طریقوں میں سے کسی ایک پر عمل پیرا ہو۔ لیکن اگر اسلامی ریاست موجود نہ ہو تو اسلامی ریاست کے قیام کی کوشش کرنے والی اسلامی تحریک اپنے طور پر کوئی طریقہ ایجاد کرنے کی بجائے مذکورہ طریقوں میں سے کسی ایک پر عمل کرے اور حدیث نبویؐ ﴿ وَعَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ الْمَھْدِیِّیْنَ﴾ کا مصداق بنے۔ واللہ اعلم بالصواب!

بیعت صغریٰ / تنظیمی بیعت

اس سے پہلے کہ ہم خلیفہ اور حاکم کے علاوہ کسی اور کے لیے شرعی بیعت ثابت کریں، یہ یاد دہانی ضروری ہے کہ بیعت سے متعلق مذکورہ بالا مباحث ہم نے بطور تمہید ذکر کیے ہیں، قطع نظر اس سے کہ وہ بیعت کبریٰ ہے یا صغریٰ، کیونکہ اُن میں سے کچھ بیعت کبریٰ پر دلالت کرتے ہیں اور کچھ بیعتِ صغریٰ پر۔ ہمارا مقصود صرف بیعت سے متعلق اپنا عمومی نقطۂ نظر پیش کرنا تھا۔ اب یہ بحث صرف بیعت صغریٰ سے متعلق ہوگی اور اس سے متعلق وارد نصوصِ قرآن وسنت اور سلف صالحین کے ثابت شدہ آثار پیش کیے جائیں گے۔ دلائل لانے سے پہلے لفظ بیعت سے متعلق دو تین اصطلاحات کی وضاحت مفید سمجھتا ہوں تا کہ ایک قاری بعض احتمالی دلائل کو سمجھ سکے۔ جیسا کہ آپ کے علم میں ہے کہ بیعت ایک عہد، ایک میثاق اور ایک عقد ہے جس میں جانبین کو آپس میں جوڑا اور پابند کیا جاتا ہے، ایسی صورت میں جب جانبین کی طرف سے اس معاہدے اور میثاق پر مکمل اتفاق ہو، جیسا کہ حدیث پاک میں موجود ہے: ((اَلَا تُبَایِعُونِیْ عَلَی الْاِسْلَامِ))[۳۰] ''کیا تم مجھ سے اسلام پر بیعت نہیں کرتے؟'' یہ بیعت اسلام ہے اور یہ دلیل ہے عقد اور معاہدہ کی۔

اس طرح لفظ ''عہد''، قسم، وفاء، ضمان، امان، دوستی، وصیت، میثاق وغیرہ کے معنی میں آتا ہے اور عہد سے متعلق وارد احادیث مذکورہ معنوں میں سے کسی ایک سے خالی نہیں ہے۔ لفظ ''میثاق'' عہد کے معنی میں ہے۔ امام راغب اصفہانی کہتے ہیں: میثاق پکے عہد کو کہتے ہیں جو قسم اور عہد کی صورت میں ہو۔[۳۱] لفظ ''عقد'' کے معنی ہیں گرہ اور عہد۔ کہتے ہیں **عقد البیع اَوِ الیمین**: بیع یا قسم کو پکا کرنا۔ **عاقدہٗ و معاقدہ**: معاہدہ کرنا۔ **و تعاقد القوم**: ایک دوسرے کے ساتھ معاہدہ کرنا۔[۳۲]

اب وہ دلائل جو بیعت صغریٰ پر دلالت کرتے ہیں، پیش خدمت ہیں۔ بالفاظِ دیگر وہ تنظیمی یا جماعتی بیعت جو غیر حاکم یا خلیفہ کو دی جاتی ہے اور یہ کہ آیا یہ جائز بھی ہے یا نہیں، اس مبحث کا حصہ ہے۔

✌ قرآن کریم سے دلائل

قرآن کریم سے بعض دلائل عمل صالح کے عہود اور مواثیق پر دلالت کرتے ہیں اور سب سے بڑا نیک اور صالح عمل الجہاد فی سبیل اللہ (اللہ کے راستے میں جہاد کرنا)، اسلامی طرزِ زندگی اختیار کرنا اور خلافتِ راشدہ کا قیام ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عَاهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا ؕ تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًاۢ بَيْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِيَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ

اِنَّمَا يَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ﴾ (النحل)

''اور تم اللہ کے عہد کو پورا کرو جب کہ تم اس کو اپنے ذمے کرلو اور قسموں کو پختہ کرنے کے بعد مت توڑو جبکہ تم ان پر اللہ تعالیٰ کو گواہ بھی بنا چکے ہو۔ بے شک اللہ کو معلوم ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔ اور تم (مکہ کی) اس (دیوانی) عورت کے مشابہ مت بنو جس نے اپنی محنت سے کاتے ہوئے سوت کو خود ہی نوچ کر تار تار کر ڈالا۔ اس طرح تم اپنی قسموں کو مکر وفساد کا ذریعہ بناتے ہو تا کہ ایک گروہ دوسرے گروہ پر چڑھائی کرے۔ اللہ تعالیٰ اس (عہد و پیمان) کے ذریعے سے تمہاری آزمائش کرتا ہے' اور جن چیزوں میں تم اختلاف کرتے رہے ہو قیامت کے دن وہ ضرور تم پر (ان کی اصل حقیقت) ظاہر کردے گا''۔

ابن کثیر m نے فرمایا: ''یہ وہ ہے جس کا اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے اور وہ وعدوں اور میثاقوں سے وفا اور پکی قسم (حلف) کی حفاظت ہے''۔

ابن جریر m اپنی سند میں بریدہ سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''﴿وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عَاهَدْتُّمْ﴾'' اور تم اللہ کے عہد کو پورا کرو جبکہ تم اس کو اپنے اوپر ضامن کرلو''۔ یہ وہ بیعت ہے جو تم نے اسلام پر کی ہوئی ہے۔ ﴿وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا﴾ ''اور تم اپنی قسموں کو مت توڑو بعد ان کے مستحکم ہونے کے''۔ تمہیں محمد ﷺ کی جماعت کی کمی اور مشرکین کی کثرت بوجھ نہ لگے کہ تم اپنے اسلام پر کی ہوئی بیعت کو توڑ دو''۔(۳۳) دیکھیں کس طرح عہد کی تفسیر بیعت پر کی!

اور امام ابن تیمیہ m طالب علم کے بارے میں فرماتے ہیں: جس نے اپنے استاد کو حلف (قسم) دیا اور پھر دوسری طرف منتقل ہو کر اس کے علاوہ کسی دوسرے کے ساتھ حلف کیا' کوئی شک نہیں کہ اس نے اپنی جاہلیت والی عادت پر کیا۔ وہ یہ کہ استاد کے علم میں وہ حلف لیا ہوا تھا جو منتقل تھا پہلے سے دوسرے کی طرف۔ یہ ظالم ہے' سرکش (باغی) ہے۔ اپنے استاد کے عہد توڑنے والا ان کے عقد کا پابند نہیں ہے' اور یہ حرام اور گناہ ہے۔ عقد کا غیر پابند ہونا زیادہ بڑا گناہ ہے بنسبت ان لوگوں کے افعال کے جن کا عہد وہ نہیں کرتے۔ بلکہ اس طرح ایک استاد سے دوسرے استاد کی طرف منتقل ہونا اور حلف دینا حرام ہے۔ اس کی مثال مرے ہوئے خنزیر کی طرح ہے' بلکہ یہ تو نہ اللہ سے عہد پر وفا ہے نہ رسول کے ساتھ اور نہ پہلے استاد کے ساتھ عہد پر وفا ہے' اور ایسے شخص کی مثال ایک لاابالی اور کھلنڈرے انسان کی ہے جس کا نہ کوئی عہد ہو اور نہ کوئی وفا۔ جاہلیت کے زمانے میں لوگ ایسا کرتے تھے کہ اگر پہلے والے سے زیادہ طاقتور شخص (سردار) مل جاتا تو پہلے والے کے عہد کو چھوڑ کر دوسرے سے عہد کر لیتے تھے۔ اور یہ ان لوگوں کا حال تھا تو پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا:

﴿وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ

مَا تَفۡعَلُوۡنَ ○ وَلَا تَكُوۡنُوۡا كَالَّتِىۡ نَقَضَتۡ غَزۡلَهَا مِنۡۢ بَعۡدِ قُوَّةٍ اَنۡكَاثًا ؕ تَتَّخِذُوۡنَ اَيۡمَانَكُمۡ دَخَلًاۢ بَيۡنَكُمۡ اَنۡ تَكُوۡنَ اُمَّةٌ هِىَ اَرۡبٰى مِنۡ اُمَّةٍ ؕ

''اورتم اپنی قسموں کومت توڑ و بعدان کے مستحکم ہونے کے حالانکہ تم اللہ کو گواہ بھی بنا چکے ہو۔ بے شک اللہ کو معلوم ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔اورتم (مکہ کی) اُس (دیوانی) عورت کے مشابہ مت بنو جس نے اپنے محنت سے کاتے ہوئے سوت کوخود ہی نوچ کر تار تار کر ڈالا''۔

اگر کسی نے کسی شخص سے عہد کیا اور قسم کھائی کہ وہ اس کے پیچھے چلے گا' لیکن پھر عہد توڑ کر واپس آ گیا تو وہ شیطان کے راستے میں جہاد کرنے والے تا تاری مجاہدین کی جنس سے ہوگا۔ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والے نہیں اور نہ مسلمانوں کے لشکر میں شمار ہوں گے' بلکہ شیطان کے لشکروں میں شمار ہوں گے' اگر چہ وہ سمجھتے ہوں کہ ان کا شمار مسلمانوں کے لشکروں میں ہے۔لیکن بہتر یہ ہے کہ استاد شاگرد سے کہے: **علیک عهد الله و میثاقه** ''تم پر اللہ کے عہد و میثاق کی ذمہ داری ہے''۔ کہ تم چلو گے جو تمہیں لے کر چلے گا اللہ کی طرف اور اس کے رسول کی طرف اور چھوڑ دو جس نے اللہ کو اور رسول کو چھوڑا ہے اور تعاون کرو نیکی اور تقویٰ میں اور تعاون نہ کرو گناہ اور دشمنی میں' اور اگر حق میرے پاس ہے تو حق کی مدد کرو اور اگر میں باطل پر ہوں تو تم باطل کی مدد نہ کرو۔ جس نے اس (عہد) پر پابندی اختیار کی وہ مجاہد فی سبیل اللہ ہے' کیونکہ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ سارا دین اللہ کا ہو جائے اور اللہ کا کلمہ ہی بلند ہو۔[۳۴]

ذرا غور کریں' شیخ الاسلام ابن تیمیہ m نے استاد اور شاگرد کے درمیان طاعات پر عہد کی شرعی حیثیت کیسے ثابت کی اور کیسے ترغیب و ترہیب کا بہتر انداز اختیار کیا۔حلف کوانہوں نے بیعت کے معنی میں استعمال کیا ہے۔اس عہد کو انہوں نے واجب اور ضروری قرار دیا اور توڑنے والے کو غیر پابند اور اس کے اس کام کو حرام' بڑے گناہ' جاہلیت والی عادت' مرے ہوئے خنزیر' جنس تا تاری مجاہدین' شیطانی مجاہدین' شیطانی لشکر وغیرہ سے تعبیر کیا ہے۔ پابندی کی صورت میں اس عہد (قسم) کو اللہ کے عہد و میثاق اور مجاہدین فی سبیل اللہ وغیرہ سے تعبیر کیا ہے۔اسی طرح انہوں نے اس عہد کو نیکی' تقویٰ' اللہ اور رسولؐ کی اطاعت' حق کی نصرت اور دین کی نصرت اور کلمۃ اللہ کی سر بلندی سے مشروط کیا۔ بصورتِ دیگر اسے جائز قرار نہیں دیا۔ دیکھئے امام ابن تیمیہ m نے حدیث سفر کی تشریح میں دو سے زائد افراد کے لیے امارت کو بطریقہ اولیٰ واجب قرار دیا تھا اور یہاں پر صرف دو بندوں کے لیے جو کہ صرف استاد اور شاگرد ہیں عہد کی صورت میں وفا واجب قرار دی اور عدم وفا کو جاہلیت والی عادت' مرے ہوئے خنزیر' بڑے گناہ وغیرہ سے تعبیر کیا ہے۔تو یہاں پر جب استاد اور شاگرد کے درمیان عہد اتنا اہم اور ضروری ہے تو اسلامی جماعتوں کے لیے بیعت اور بیعت کی صورت میں وفا بطریقہ اولیٰ واجب ہے۔اگر غیر معمولی مرحلے میں یہ دونوں کام اتنے ضروری اور اہم ہیں تو اسلامی ریاست کی عدم وجود کی صورت میں عقلاً وشرعاً وقانوناً اسلامی جماعت جو اس اسلامی

ریاست کے وجود کے لیے اپنے تمام تر وسائل وذرائع صرف کرتی ہے ان دونوں وسیلوں کو اپنانے میں زیادہ حق بجانب ہے۔ بہرحال شیخ الاسلام ابن تیمیہ m کے مذکورہ قول سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ہر وہ عقد اور میثاق جائز نہیں ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہو اور یہ تعبیر اس حدیث کے مصداق ہے :((**لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ**))(۳۵) ''اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں مخلوق کی فرماں برداری نہیں ہے''۔اور گناہ میں وفا نہیں ہے۔لیکن مذکورہ قول سے یہ ثابت ہوجاتا ہے کہ اسلامی حکومت ہو یا کوئی اسلامی جماعت یا کوئی فرد بیعت اور عہد پر وفا کرنا واجب ہے' بصورت دیگر سخت قسم کے گناہ کا مرتکب ہوگا' کیونکہ شریعت میں عہد پر وفا کرنا لازم ہے۔

بیعت کے جواز اور عدم جواز میں اصل چیز علت ہے' یعنی جس کام پر معاہدہ اور تعاقد کیا جاتا ہے نہ کہ عہد وعقد۔ بذاتِ خود اگر عہد اور عقد باطل کام پر ہو تو وہ باطل ہے اور اس بیعت اور عقد کا نفاذ جائز نہیں ہے' اور اگر باطل نہ ہو حق ہو اور اس میں اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت ہو تو وہ جائز ہے اور اس کا نفاذ اور التزام واجب ہے' اور خاص طور پر اگر کوئی اس پر عہد اور میثاق لے تو اس پر وفا نہایت ضروری ہے۔ ایک جہت سے اس وجہ سے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے اور دوسری جہت سے اس وجہ سے کہ اس نے عہد و میثاق دیا ہے اس پر قائم رہنے کا اور عہد پر وفا واجبات میں سے ایک واجب ہے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿**وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا**﴾ (الاسراء)

''اور عہد کو پورا کرو' بے شک عہد کے بارے میں پوچھا جائے گا''۔

اور فرمانِ الٰہی ہے:

﴿...... **وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ**﴾ (البقرة)

''اور جو لوگ (ان عقائد و اعمال کے ساتھ یہ اخلاق بھی رکھتے ہوں کہ) اپنے عہدوں کو پورا کرنے والے ہوں جب عہد کرلیں اور وہ لوگ مستقل (صبر) رہنے والے ہوں تنگ دستی میں اور بیماری میں اور قتال میں۔ یہی لوگ ہیں جو سچے (کمال کے ساتھ متصف) ہیں اور یہی لوگ ہیں جو متقی (کہے جاسکتے) ہیں۔''

اور فرماتے ہیں:

﴿**يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ**﴾ (المائدة:۱)

''اے ایمان والو! عہدوں کو پورا کرو۔''

اللہ عزوجل نے وعدہ خلافی کو فاسقین اور منافقین کی صفت قرار دیا ہے' جیسا کہ ان کے بارے میں فرمایا:

﴿**الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۪ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ**

وَيُفۡسِدُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ ؕ اُولٰٓئِکَ هُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ﴾ (البقرة)

’’جو کہ توڑتے رہتے ہیں اس معاہدے کو جو اللہ تعالیٰ سے کر چکے تھے اس کے استحکام کے بعد اور قطع کرتے رہتے ہیں ان تعلقات کو جن کو وابستہ رکھنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اور فساد کرتے ہیں زمیں میں۔ پس یہ لوگ پورے خسارے میں پڑنے والے ہیں۔‘‘

ایک اور جگہ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَالَّذِیۡنَ یَنۡقُضُوۡنَ عَهۡدَ اللّٰهِ مِنۡۢ بَعۡدِ مِیۡثَاقِهٖ وَیَقۡطَعُوۡنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنۡ یُّوۡصَلَ وَیُفۡسِدُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ ۙ اُولٰٓئِکَ لَهُمُ اللَّعۡنَةُ وَلَهُمۡ سُوۡٓءُ الدَّارِ﴾ (الرعد)

’’اور جو لوگ اللہ کے عہد کو اس کی پختگی کے بعد توڑتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جن تعلقات کے قائم رکھنے کا حکم فرمایا ہے ان کو قطع کرتے ہیں اور دنیا میں فساد کرتے ہیں، ایسے لوگوں پر لعنت ہوگی اور ان کے لیے (آخرت میں) بہت برا ٹھکانا ہے‘‘۔

اور اسی طرح عہد پر وفا کی دلیل حضرت یعقوب d اور ان کے بیٹوں کا واقعہ ہے جب حضرت یعقوب d نے اپنے بیٹوں کے ساتھ عہد و میثاق کیا کہ اپنے بھائی یوسف d کو واپس لائیں گے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

﴿قَالَ لَنۡ اُرۡسِلَهٗ مَعَکُمۡ حَتّٰی تُؤۡتُوۡنِ مَوۡثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَتَاۡتُنَّنِیۡ بِهٖۤ اِلَّاۤ اَنۡ یُّحَاطَ بِکُمۡ ۚ فَلَمَّاۤ اٰتَوۡهُ مَوۡثِقَهُمۡ قَالَ اللّٰهُ عَلٰی مَا نَقُوۡلُ وَکِیۡلٌ﴾ (یوسف)

’’(یعقوب d نے) فرمایا کہ اُس وقت تک ہرگز اس کو تمہارے ہمراہ نہ بھیجوں گا جب تک کہ اللہ کی قسم (میثاق) کھا کر مجھ کو پکا قول نہ دو گے کہ تم اس کو ضرور ہی لاؤ گے، بجز اس کے کہ تم گھیر ہی لیے جاؤ۔ پھر جب وہ قسم کھا کر اپنے باپ کو قول دے چکے تو انہوں نے فرمایا کہ (دیکھو) ہمارے اس قول و قرار پر اللہ نگران ہے‘‘۔

صاحب العمدۃ نے فرمایا: تو جب یوسف d نے اپنے بھائیوں سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنے بھائی (بنیامین) کو اپنے باپ کے پاس سے لے کر آئیں تو ان کو ان کے والد نے اس پر قسم دی اور اسے ان کے ساتھ بھیجنے سے انکار کر دیا یہاں تک کہ میثاق لاؤ۔ اور یہ میثاق لوگوں کے معاملہ میں تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس میثاق کو ’’مَوۡثِقًا مِّنَ اللّٰهِ‘‘ (اللہ سے میثاق) سے موسوم اور تعبیر کیا ہے۔ جب یوسف d نے اپنے بھائی (بنیامین) کو چھپایا تو بڑے بھائی نے کہا:

﴿قَالَ کَبِیۡرُهُمۡ اَلَمۡ تَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اَبَاکُمۡ قَدۡ اَخَذَ عَلَیۡکُمۡ مَّوۡثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَمِنۡ قَبۡلُ مَا فَرَّطۡتُّمۡ فِیۡ یُوۡسُفَ ۚ فَلَنۡ اَبۡرَحَ الۡاَرۡضَ حَتّٰی یَاۡذَنَ لِیۡۤ اَبِیۡۤ اَوۡ یَحۡکُمَ اللّٰهُ لِیۡ ۚ وَهُوَ خَیۡرُ الۡحٰکِمِیۡنَ﴾ (یوسف)

''ان میں سے جو سب سے بڑا تھا اس نے کہا تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارے والد نے تم سے اللہ کو بیچ میں رکھ کر پختہ قول وقرار لیا ہے اور اس سے پہلے یوسف کے بارے میں تم قصور کر چکے ہو، پس میں تو اس سرزمین سے نہ ٹلوں گا جب تک کہ والد صاحب خود مجھے اجازت نہ دیں یا اللہ تعالیٰ میرا یہ معاملہ فیصل کردے، اور وہی بہترین حاکم ہے۔''

کیونکہ بنیامین کو چھوڑ کر جانا ان کے لیے نہایت کٹھن مرحلہ تھا اور وہ باپ کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہے تھے، اس لیے باہم مشورہ کرنے لگے کہ اب کیا کیا جائے۔(۳۶)

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اس شرط کے بارے میں فرمایا جو حضرت خضر نے حضرت موسیٰ d سے باندھی تھی کہ وہ آگے ان کے ساتھ چل سکے اور وہ شرط جو موسیٰ d نے اپنے آپ سے کی تھی۔ خضر کی شرط کا ذکر اس آیت مبارکہ میں ملتا ہے:

﴿قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِیْ فَلَا تَسْئَلْنِیْ عَنْ شَیْءٍ حَتّٰٓی اُحْدِثَ لَکَ مِنْهُ ذِکْرًا﴾ (الکھف)

''(خضر نے) اس نے کہا اچھا اگر آپ میرے ساتھ ہی چلنے پر اصرار کرتے ہیں تو یاد رہے کسی چیز کی نسبت مجھ سے کچھ نہ پوچھنا جب تک میں آپ اس کی نسبت کوئی ذکر نہ سناؤں''۔

اور موسیٰ d کی شرط جو انہوں نے اپنے آپ سے کی وہ اللہ تعالیٰ کے فرمان میں یوں بیان ہوئی:

﴿قَالَ اِنْ سَاَلْتُکَ عَنْ شَیْءٍۢ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِیْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّیْ عُذْرًا ﴾

(الکھف)

''موسیٰ (d) نے جواب دیا مگر اب اس کے بعد میں آپ سے کسی چیز کے بارے میں سوال کروں تو بے شک آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھنا، یقیناً آپ میری طرف سے معذرت کو پہنچ چکے۔''

یعنی اب اگر سوال کروں تو اپنی مصاحبت کے شرف سے مجھے محروم کردیں، مجھے کوئی اعتراض نہیں، اس لیے کہ آپ کے پاس معقول عذر ہوگا۔ امام بخاری m نے اس مسئلے پر اپنی کتاب صحیح البخاری میں ایک مستقل باب کتاب الشروط میں باندھا ہے جس میں انہوں نے ابن عباسؓ سے اور انہوں نے اُبی بن کعبؓ سے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے نقل کیا ہے کہ حضرت موسیٰ d اور خضر کے قصے میں: ((کانت الاولی نسیانا والوسطی شرطا و الثالثة عملاً))(۳۷) ''پہلا بھول کر تھا، درمیانہ شرط کے طور پر تھا اور تیسرا جان بوجھ کر تھا''۔

ابن حجر m شرط کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿اِنْ سَاَلْتُکَ عَنْ شَیْءٍ بَعْدَهَا فَلَا تُصَاحِبْنِیْ﴾ ''خیر اب اس کے بعد میں آپ سے کسی چیز کے بارے میں سوال کروں تو بے شک آپ مجھے ساتھ نہ رکھنا''۔ اور موسیٰ d اس کی پابندی کرتے رہے اور دونوں کی آپس میں نہ کوئی کتابت ہے اور نہ کسی کو گواہ بنایا اور یہ دلیل ہے وقت اور ظروف کے مطابق شرائط وضع کرنے پر۔ حالات اور ظروف جن شرائط کے متقاضی ہوں اس پر طرفین چلیں کیونکہ خضر نے موسیٰ d سے کہا یہ تیسرا موقع ہے کہ آپ صبر نہ کرسکے اور اب خود آپ کے کہنے کے

مطابق میں آپ کو ساتھ رکھنے سے معذور ہوں''۔(۳۸)

﴿قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ﴾ الكهف:۸۷) ''اس (خضر) نے کہا بس یہ جدائی ہے میرے اور تیرے درمیان''۔جس پر موسیٰ d نے انکار نہیں کیا۔(۳۹)

یہ وہ سابقہ دلائل ہیں جو لوگوں کے درمیان معاہدوں اور میثاقوں اور شروط کی پابندی کی خاطر لیے جا سکتے ہیں، خواہ وہ کسی بھی شکل میں ہوں، کیونکہ یہ معاہدے عام معاہدے ہیں، ان میں تخصیص نہیں۔ جو بھی نیک عمل مطلوب ومقصود ہو اور اس میں جانبین عہد کرنا چاہتے ہوں، مذکورہ اقوال کی روشنی میں وہ جائز ہے اور اسے وفا کرنا واجب ہے۔ اور یہ سارے ذکر شدہ عہود غیر حاکم اور خلیفہ پر دلالت کرتے ہیں اور اس سے غیر خلیفہ والی امارتیں ثابت ہو جاتی ہیں، اس صورت میں جب اسلامی حکومت اور خلیفہ موجود نہ ہو، اور یہ دلائل کارآمد ہیں اسلامی جماعتوں کے لیے استثنائی صورتوں میں، کیونکہ یہ امارتِ صغریٰ کی لوازمات میں سے ہیں ۔اسی وجہ سے ایک اسلامی جماعت میں نظام سمع وطاعت صحیح اور اصل روح میں باقی رہتا ہے۔ واللہ اعلم!

بیعت سنت اور سلف صالحین کے آثار سے

قرآن کریم سے مذکورہ سارے دلائل غیر خلیفہ کی بیعت (عہد) کے مشروع ہونے پر دلالت کر رہے تھے، اب ہم خلیفہ نہ ہونے کی صورت میں بیعت صغریٰ پر مزید دلائل پیش کرتے ہیں:

(۱) بیعت عقبہ اولیٰ اور ثانیہ: سوید بن صامت مدینہ کے وہ پہلے خوش قسمت انسان تھے جو رسول اللہ ﷺ سے متأثر ہوئے لیکن یہ جنگ بعاث میں قتل ہو گئے۔ دوسرے خوش قسمت شخص ایاس بن معاذ تھے جنہوں نے کہا تھا: ''خدا کی قسم یہ اچھی باتیں ہیں''۔ لیکن ان کا بھی بہت جلد انتقال ہو گیا۔(۴۰)

۱۱ نبوی میں حج کے زمانے میں رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کے قبیلے خزرج کے چھ افراد سے منیٰ کی ایک گھاٹی (عقبہ) پر ملاقات کی۔ انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور وعدہ کیا کہ آئندہ سال حج کے موقع پر پھر ملیں گے۔ انہوں نے واپس جا کر اسلام کی تبلیغ شروع کی اور مدینہ کے ہر گھر میں رسول اللہ ﷺ کا ذکر ہونے لگا۔ ۱۲ نبوی میں منیٰ کی اس گھاٹی پر حسبِ وعدہ حج کے موقع پر ۱۲ افراد نے رسول اللہ ﷺ سے دوبارہ ملاقات کی۔ اُس وقت آپ ﷺ نے ان سے جو بیعت لی تھی وہ اس بیعت کے مطابق تھی جو کئی سال بعد سورۃ الممتحنہ کی آیت ۱۲ میں مہاجر عورتوں کے ضمن میں بتائی گئی تھی۔ اسی وجہ سے اس بیعت عقبہ اولیٰ کو مسند احمد اور سیرت ابن ہشام میں ''بیعت النساء'' کہا گیا ہے۔ عقبہ اولیٰ کی تفصیلی بحث پہلے گزر چکی ہے۔(۴۱)

ذوالحجہ ۱۳ نبوی میں ۷۳ مرد اور دو خواتین تیسری مرتبہ اسی عقبہ کے مقام پر رسول اللہ ﷺ سے ملے۔ اس مرتبہ ان سے اطاعت کے ساتھ جہاد اور امداد کا عہد بھی لیا گیا تھا۔ حضرت عبادہ بن صامت h نے اس بیعت کی نوعیت اس طرح بیان فرمائی ہے: ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ یہ عہد کیا تھا کہ آپ کا ہر حکم سنیں گے اور مانیں گے خواہ ہماری طبیعت چاہے یا نہ چاہے اور ہم مالی اخراجات برداشت کریں گے خواہ خوش حال

ہوں یا تنگ دست ہوں۔ نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے۔ اللہ کے رسول جب ہماری بستی یثرب (مدینہ) تشریف لائیں گے تو ہم ان کی مدد کریں گے اور ان کی حفاظت کریں گے جس طرح ہم اپنی جانوں، بیویوں اور بچوں کی حفاظت کرتے ہیں اور اس کے بدلے میں ہم صرف جنت چاہتے ہیں۔ یہ تھی وہ بیعت جو ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کی تھی **(فھٰذا بیعة رسول اللّٰہ التی بایعنا علیھا)**۔[42]

مذکورہ بیعتیں (معاہدے) ایک ایسے وقت میں کی جاتی ہیں جب اسلامی ریاست اور حکومت کا وجود نہیں، انتہائی ضعف اور کمزوری کا عالم ہے۔ نہ کوئی برسراقتدار ہے اور نہ اس وقت رسول اللہ ﷺ سربراہِ مملکت ہیں، بلکہ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ بیعت پوشیدہ ہے ظاہر نہیں ہے۔ یہ بیعت ان لوگوں کی شرائط کے بالکل برعکس ہے جو حکمرانی کو بیعتِ عامہ کی صحت کے لیے شرط قرار دیتے ہیں، یعنی حاکم ہو اور سرے سے پوشیدہ نہ ہو، لیکن یہاں نہ تو رسول اللہ ﷺ حاکم ہیں اور نہ انہوں نے اس بیعت کا کوئی باقاعدہ اعلان کیا ہے۔ بہرحال یہ مقام بیعت عامہ کے خلاف ہے جو کہ مانعین کے نزدیک بیعت کی صحت کے لیے معتبر شرط ہے۔ یہ ایک صریح اور صحیح دلیل ہے ان لوگوں کے لیے جو ایک ایسے شخص کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں جس میں حاکم اور خلیفہ والی صفات موجود نہ ہوں، بالفاظ دیگر قدرت اور ظہور کے اعتبار سے خلیفہ اور حکمران نہ ہو۔ رہا یہ قول کہ یہ بیعت رسول اللہ ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے اور کسی اور کے لیے جائز نہیں ہے، اس حیثیت سے کہ وہ خلیفہ عام نہیں ہے اور اسے وہ اختیار حاصل نہیں ہے جو رسول اللہ ﷺ کو حاصل تھا کہ لوگوں سے نصرت و جہاد پر اور اللہ کے کلمہ کی سربلندی کے لیے بیعت لے، تو یہ قول محتاج ہے خاص اور مخصوص دلیل کا——اور مخصوص دلیل کہاں ہے؟

سلف صالحین سے بھی کوئی دلیل منقول نہیں جو تخصیص پر دلالت کرتی ہو اور اس مسئلے میں مفید ہو۔ خصوصیات والا قول باطل اور مردود ہے، اس پر حجیت ثابت نہیں ہوتی اور نہ یہ توجیہ لائق اعتناء ہے، کیونکہ سلف صالحین میں سے کسی سے ثابت نہیں ہے کہ اس نے کہا ہو کہ یہ نبی ﷺ کے ساتھ خاص ہے، بلکہ اس کے خلاف ثابت ہے، جس کا بیان اپنے محل پر آئے گا۔ آنحضور ﷺ کے دست مبارک پر جو بیعت کی جاتی تھی وہ تصدیق نبوت و رسالت کے لیے نہ ہوتی تھی بلکہ آپؐ کے احکامات کی پیروی اور سمع و طاعت کا ایک عہد تھی۔ نبوت و رسالت کے اقرار کا نام تو ایمان ہے۔

(۲) رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ "جو شرط اللہ کی کتاب میں نہ ہو وہ باطل ہے، اگرچہ وہ سو شرائط کیوں نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ برحق ہے اور اللہ کی شرط پکی ہے"۔[43] یہ حدیث دلیل ہے شرطوں اور عہدوں کے جواز پر، جب تک اللہ کی کتاب اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مخالف نہ ہو، کیونکہ شریعت کے اصول میں سے ہے کہ اللہ کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت روا نہیں ہے۔[44] اسی طرح نہ گناہ میں منت (نذر) ہے اور نہ گناہ میں وفا ہے۔ قرآن پاک میں ہے:

﴿يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ﴾ (الانسان:۷) ''وہ نذر پوری کرتے ہیں۔''

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

((مَنْ نَذَرَ اَنْ يُطِيْعَ اللّٰهَ فَلْيُطِعْهُ وَمَنْ نَذَرَ اَنْ يَعْصِيَهُ فَلَا يَعْصِهٖ))(۴۵)

''جس نے منت مانی اس بات پر کہ میں اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کروں گا پس وہ اطاعت کرے اور جس نے منت مانی اس وجہ سے کہ وہ گناہ کرے گا تو وہ گناہ نہ کرے''۔

(یہ علم میں ہونا چاہیے کہ منت بذات خود واجب نہیں ہے لیکن جب انسان خود اپنے اوپر اسے لازم قرار دے لے تو پھر یہ واجب بن جاتی ہے۔) بہرحال نہ گناہ میں نذر ہے اور نہ گناہ میں وفا ہے اور جب شرعی مخالفت دور ہو جائے تو کسی بھی شرط اور نذر سے وفا کا تعین کیا جا سکتا ہے۔ خاص طور پر ایسا کام جس میں اللہ اور رسول ﷺ کی فرماں برداری ہو' ایسی صورت میں شرط اور عہد پر وفا کرنا واجب ہو جاتا ہے' سخت درجے کی واجب' جیسا کہ ایک حدیث پاک میں ہے:

((اَلْمُسْلِمُوْنَ عِنْدَ شُرُوْطِهِمْ))(۴۶) ''اصل میں مسلمان شرطوں پر وفا کا پابند ہے''۔

اور یہ پابندی اسلام کی شدید حرص کی وجہ سے ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے حذیفہ الیمان h کو حکم دیا تھا کہ قریش کے ساتھ اپنے عہد پر وفا کریں۔ امام مسلمؒ نے صحیح مسلم میں اس حوالے سے ایک مستقل باب باندھا ہے: باب الوفاء بالعهد (باب اقرار کو پورا کرنا)۔ حدیث کچھ اس طرح ہے:

عن حذيفة اليمان رضی اللہ عنہ قال : ما منعني ان اشهد بدرا الا انی خرجت انا وابی حسيل والده. قال : فاخذنا كفار قريش قالوا انكم تريدون محمدا فقلنا: ما نريده' ما نريد الا المدينة' فاخذوا علينا عهد الله وميثاقه لننصرف الى المدينة ولا نقاتل معه. فاتينا رسول الله ﷺ فاخبرنا الخبر فقال : ((انصرفا' نفی لهم بعدهم ونستعين الله عليهم)) (۴۷)

''حذیفہ الیمان h سے روایت ہے' مجھے بدر میں آنے سے کسی چیز نے نہ روکا مگر یہ کہ میں اپنے والد حسیل کے ساتھ نکلا (یہ حذیفہؓ کے والد کی کنیت ہے) تو ہم کو قریش کے کافروں نے پکڑا اور کہا تم محمد (ﷺ) کے پاس جانا چاہتے ہو؟ ہم نے کہا ہم ان کے پاس نہیں جانا چاہتے بلکہ ہم مدینہ جانا چاہتے ہیں۔ پھر انہوں نے ہم سے اللہ کا نام لے کر عہد اور میثاق لیا کہ ہم مدینہ کو پھر جائیں گے اور محمدؐ کے ساتھ ہو کر نہیں لڑیں گے۔ جب ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تو ہم نے یہ سب قصہ بیان کیا۔ آپؐ نے فرمایا: ''تم مدینہ کو چلے جاؤ' ہم ان کا عہد پورا کریں گے اور ان کے مقابلے میں اللہ سے مدد چاہیں گے''۔

اگر ایک مسلمان ایفائے عہد کی وجہ سے اتنا پابند ہے کہ وہ روئے زمین پر اللہ کے بہترین بندے حضرت محمد ﷺ کے ساتھ قتال میں شریک نہیں ہو سکتا اور اشرف اور مقدس معرکۂ بدر میں آپؐ کا ساتھ نہیں

دے سکتا تو کیا یہ من باب اولیٰ نہیں ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے ساتھ برضا ورغبت طاعات اور جہاد فی سبیل اللہ وغیرہ پر معاہدہ (بیعت) کریں اور پھر اس معاہدے اور عہد پر وفا کریں۔

رسول اللہ ﷺ نے عہد کو توڑنا نفاق اور منافقین کی صفات میں سے شمار کیا ہے۔جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے:

((اِذَا ائْتُمِنَ خَانَ وَاِذَا حَدَثَ كَذَبَ وَاِذَا عَاهَدَ غَدَرَ وَاِذَا وَعَدَ خَلَفَ))(۴۸)

''منافق کو جب امانت دی جاتی ہے تو خیانت کرتا ہے' جب بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے' جب عہد کرتا ہے تو توڑ دیتا ہے اور جب وعدہ کرتا ہے تو خلاف ورزی کرتا ہے۔''

جس بندے میں یہ چار خصلتیں ہوں وہ خالص منافق ہے اور جس میں ان چار میں سے کوئی ایک پائی جائے تو اس میں نفاق کی ایک خصلت ہوگی۔

(۳) اسی طرح خیر وطاعات پر شرعی عہود اور مواثیق کی دلیل ابن عباسؓ کی وہ حدیث ہے جو امام بخاری نے اپنی کتاب صحیح البخاری میں ذکر کی ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ : لما بلغ اباذر مبعث النبی ﷺ قدم مكة فاتى المسجد' فالتمس النبی ﷺ ولا يعرفه وكره ان يسأل عنه فراٰه على فعرف انه غريب : فقال له الا تحدثنی ما الذی اقدمک؟ قال ان اعطيتنی عهدا وميثاقا لترشدنی فعلت. ففعل فاخبره قال : فانه حق وهو رسول الله ﷺ. فاذا اصبحت فاتبعنی (۴۹)

''حضرت ابن عباس i کہتے ہیں جب ابوذر h کو رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی خبر پہنچی تو وہ خود کھانے کا سامان اور پانی کا مشکیزہ لے کر مکہ میں آئے اور مسجد میں جا کر رسول اللہ ﷺ کی جستجو کی' لیکن خود حضور ﷺ کو پہچانتے نہ تھے اور کسی سے پوچھنا مناسب نہ جانتے تھے۔خیرات کو لیٹے ہوئے تھے کہ حضرت علیؓ نے دیکھ لیا اور پہچان لیا کہ کوئی مسافر ہے۔تیسرا دن ہوا تو حضرت علیؓ عادت کی موافق پھر گئے اور ابوذر کو اٹھا کر لے گئے اور کہنے لگے کہ کیا تم مجھے بتاؤ گے کہ یہاں تمہارے آنے کا کیا سبب ہوا؟ ابوذرؓ نے کہا اگر مجھے آپ قول وقرار دیں کہ آپ میری رہنمائی کریں گے تو میں بتا دوں گا۔حضرت علیؓ نے اقرار کر لیا اور ابوذرؓ نے ان کو آنے کی وجہ بتا دی۔ حضرت علیؓ نے فرمایا بات سچی ہے' وہ خدا کے رسول ہیں' جب میں صبح کو جاؤں گا تو تم میرے پیچھے پیچھے چلے آنا''۔

یہ ایک طویل حدیث ہے۔ہم نے صرف مطلوب حصے پر اکتفا کیا۔دیکھئے' حضرت ابوذرؓ حضرت علیؓ سے عہد اور میثاق اس لیے لیتے ہیں کہ حضرت علیؓ ان کی رہنمائی کریں گے اور حضرت علیؓ اس معاہدے پر متفق ہو جاتے ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ ابوذر نہ خلیفہ ہیں اور نہ امیر' یہاں تک کہ وہ ابھی مسلمان بھی نہیں ہیں اور

اس سب کچھ کے باوجود حضرت علیؓ بن ابی طالب ان کے ساتھ عہد کرتے ہیں اور میثاق دیتے ہیں۔

(٤) اسی طرح امام بخاری m نے حضرت عثمانؓ کی بیعت پر اتفاق کے قصے میں ذکر کیا ہے۔ اگرچہ حدیث طویل ہے لیکن مطلوب حصہ یہ ہے:

ان عبد الرحمن بن عوف قال لعثمان و علی ایکما تبرأ من ھذا الامر فنجعله الیه واللّٰه علیه والاسلام لینظرن افضلھم فی نفسه؟ فاسکت الشیخان فقال عبد الرحمن افتجعلونه الیّ واللّٰه علیّ ان لا آلوعن افضلکم؟ قالا نعم، فاخذ بید احدھما فقال لک قرابة من رسول اللّٰهﷺ والقدم فی الاسلام ما قدم علمت فاللّٰه علیک لئن امرتک لتعدلن ولئن امر عثمان لتسمعن ولتطیعن ثم خلا بالآخر فقال مثل ذلک فلما اخذ المیثاق قال ارفع یدک یا عثمان فبایعه فبایع له علی وولج اھل الدار فبایعوه (٥٠)

''(حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد) حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ سے کہا کہ تم میں سے جو شخص اس خلافت سے براءت ظاہر کرے گا ہم خلافت کو دوسرے کے سپرد کریں گے اور اللہ اور اسلام اس کا نگہبان ہوگا۔ ہر ایک کو غور کرنا چاہیے کہ اس کے اعتقاد میں کون شخص افضل ہے۔ یہ سن کر حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ خاموش رہے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے کہا کیا آپ امر خلافت کو میرے اختیار میں دیتے ہیں کہ جس کو چاہوں خلیفہ بنا دوں۔ خدا کی قسم تم میں جو افضل ہوگا میں اس کے حق میں کوتاہی نہیں کروں گا۔ ہر دو صاحبان (عثمان وعلی i) نے کہا ہاں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے حضرت علی مرتضیٰؓ کا ہاتھ پکڑ کر کہا آپ کی رسول اللہﷺ سے قرابت ہے اور آپ کو اسلام میں قدامت حاصل ہے، اگر میں آپ کو سردار بنا دوں تو آپ ضرور انصاف کریں گے اور اگر میں عثمان کو خلیفہ بنا دوں تو آپ ان کی فرماں برداری اور اطاعت کریں گے۔ اس کے بعد حضرت عثمانؓ سے بھی علیحدگی میں یہی کہا۔ جب انہوں نے دونوں سے میثاق لے لیا تو حضرت عثمانؓ سے کہا ہاتھ اٹھاؤ۔ حضرت عثمانؓ نے ہاتھ اٹھائے اور حضرت عبدالرحمٰن نے ان کی بیعت کی۔ ان کے بعد حضرت علیؓ نے بیعت کی۔ پھر مدینہ والے اندر آ گئے اور سب ہی نے حضرت عثمانؓ سے بیعت کر لی''۔

عبدالرحمٰن بن عوف بھی خلیفہ نہیں تھے لیکن اپنی بات منوانے کے لیے انہوں نے حضرت عثمانؓ و حضرت علیؓ دونوں سے عہد اور میثاق لیا تاکہ ان میں سے ایک کو خلیفہ بنا سکیں۔

(٥) اسی طرح بیعت عکرمہؓ بن ابی جہل کا معاملہ ہے۔ عکرمہؓ یرموک کے دن اُس پیاسے کی طرح جو سخت گرمی کے دن ٹھنڈے پانی کا مطالبہ کرتا ہے، جنگ کے لیے روانہ ہوئے اور جنگ کے میدان میں جب ایک مقام پر مسلمانوں پر سخت وقت آ گیا تو عکرمہ بن ابی جہل اپنے گھوڑے سے اتر گئے، اپنی تلوار کی نوک کو

توڑ دیا اور رومیوں کی صفوں کے اندر گھس گئے۔ سپہ سالار خالد بن ولیدؓ جلد ہی ان کے پاس پہنچ گئے اور کہنے لگے اے عکرمہ اس طرح مت کرنا' اس لیے کہ اگر آپ قتل ہو جاتے ہیں تو اس کا مسلمانوں پر برا اثر ہو گا۔ عکرمہ نے کہا اے خالد مجھے چھوڑ دو' آپ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سابقہ رکھتے ہیں اور میں اور میرے والد (ابو جہل) رسول اللہ ﷺ کے سخت دشمن تھے۔ لہٰذا مجھے چھوڑ دیجیے تا کہ میں سابقہ گناہوں کا کفارہ ادا کروں' کیونکہ میں نے بہت سارے مقامات پر رسول اللہ ﷺ کے خلاف جنگ لڑی ہے' اس لیے آج کے دن میں رومیوں سے بھاگ جاؤں' یہ ہرگز نہیں ہو سکے گا۔ پھر مسلمانوں کے درمیان نعرہ لگایا اور کہا: مَنْ يُبَايِعُ عَلَى الْمَوْتِ کون ہے جو موت پر بیعت کرے؟ ان کے ساتھ اُن کے چچا الحارث بن ہشام اور ضرار بن الأزْوَر نے چار سو مسلمانوں کے ساتھ موت پر بیعت کی اور خالد بن ولید کے سامنے جنگ کا آغاز کیا اور سخت دفاع کیا۔ جب یرموک کا معرکہ مسلمانوں کی کامیابی پر تمام ہوا اُس وقت یرموک کی زمین پر تین زخمی مجاہدین پڑے تھے اور وہ الحارث بن ہشام' عیاش بن ربیعہ اور عکرمہ بن ابی جہل تھے۔ الحارث نے زخمی حالت میں پانی مانگا اور جب پانی ان کے ہاتھ میں پکڑا دیا گیا تو عکرمہ نے ان کی طرف دیکھا' تو انہوں نے کہا پانی عکرمہ کو دے دیں۔ اور پھر جب پانی عکرمہ کے سامنے پیش کیا گیا تو عیاش نے ان کی طرف دیکھا۔ عکرمہ نے کہا پانی عیاش کو دے دیں۔ جب پانی عیاش کو پیش کیا گیا تو لوگوں نے دیکھا کہ انہوں نے زندگی سے اپنی آنکھیں بند کر لی ہیں' اور پھر جب لوگوں نے پہلے دو کی طرف دیکھا تو وہ دونوں بھی زندگی سے اپنی آنکھیں بند کر چکے تھے۔ (رضی اللہ عنہم)۔ (۵۱)

حضرت عکرمہ بن ابی جہل h نے یہ بیعت ایک ایسے وقت میں کی جبکہ وہ نہ خلیفہ تھے اور نہ امیر جیش' بلکہ امیر جیش تو انہیں منع کر رہے تھے۔ صحابہؓ کے اتنے بڑے مجمع میں کسی نے انکار نہیں کیا' اور چار سو صحابہؓ نے ان سے موت پر بیعت کر لی۔ یہ دراصل صحابہ کرامؓ کی طرف سے عکرمہؓ کے حق میں اقرار و تصویب تھا۔ ابن کثیرؒ بروایت سیف بن عمر اور وہ اپنے شیوخ کی سند سے ذکر کرتے ہیں کہ اس مجمع میں یرموک کے دن ایک ہزار صحابہؓ موجود تھے جن میں سے ایک سو بدری تھے۔ (۵۲) صحابہ کرامؓ کی اتنی کثیر تعداد کی موجودگی میں ایک صحابیؓ کا یہ طرزِ عمل دراصل موجود صحابہؓ کی طرف سے اجماع کی حیثیت رکھتا ہے اور اس بیعت کی مشروعیت پر دلیل ہے۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اس بیعت میں عکرمہ بن ابی جہلؓ صرف بیعت کا لفظ استعمال کرتے ہیں جس پر ساتھی صحابہؓ تیار ہو جاتے ہیں۔

(٦) عبدالرحمٰن بن اشعث کی بیعت حجاج بن یوسف اور عبدالرحمٰن بن مروان کے خلاف (۸۱-۸۲ھ):

تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ حجاج بن یوسف الثقفی نے سجستان سے آگے شاہ رتبیل پر حملہ کے لیے عبدالرحمٰن بن اشعث کو ایک لشکر دے کر بھیجا۔ اس نڈر' بہادر اور کامیاب کمانڈر نے رتبیل کے بہت بڑے علاقے پر لشکر کشی کی اور اس کے ایسے قلعوں پر قبضہ کر لیا جہاں تک رسائی ناممکن تھی۔ اس کے شہروں اور قصبات سے

بہت سا مالِ غنیمت حاصل کر لیا۔ پھر اُس نے مزید اندرونی علاقوں پر حملہ کرنے سے قبل حجاج کے پاس کچھ پیغام رساں بھیجے کہ وہ حجاج کو اس بہت بڑی فتح کی خوشخبری دیں اور مالِ غنیمت کا یہ خمس بھی ساتھ لے جا کر مسلمانوں کے بیت المال میں جمع کرا دیں۔ عبدالرحمٰن نے ایک خط بھی لکھا جس میں حجاج سے اجازت چاہی کہ کچھ عرصہ کے لیے قتال بند رکھا جائے تا کہ علاقہ کے اندرونی و بیرونی راستوں اور طبعی حالات سے موافقت حاصل کر لی جائے۔ حجاج یہ خط پڑھ کر غضبناک ہو گیا اور عبدالرحمٰن کو جواب لکھا کہ تم کمزور اور بزدل ہو گئے ہو۔ نیز اس کو ہلاک کر ڈالنے اور لشکر کی قیادت سے برطرف کرنے کی دھمکی دی۔ عبدالرحمٰن نے لشکر کے سرکردہ کمانڈروں کو اکٹھا کیا اور ان کے سامنے حجاج کا یہ خط پڑھا اور ان سے مشورہ طلب کیا کہ اب کیا کیا جائے۔ کمانڈروں نے حجاج کے خلاف بغاوت اور اس کی اطاعت کا عہد توڑ ڈالنے کا مشورہ دیا۔ عبدالرحمٰن نے کہا کیا اس مسئلے پر تم میری بیعت کرو گے اور اس کے خلاف جہاد پر مجھ سے تعاون کرو گے تا کہ اللہ عراق کی زمین کو اس کے قبیح اعمال سے پاک کر دے؟ اس پر لشکر نے عبدالرحمٰن کی بیعت کر لی۔ عبدالرحمٰن بن اشعث حجاج کے خلاف نفرت سے بھرے اپنے اس لشکر کو لے کر میدانِ کارزار میں اتر آیا۔ اس کے اور حجاج کے لشکروں میں تباہ کن معرکہ برپا ہوا جس میں عبدالرحمٰن مظفر و منصور رہا۔ اسی طرح اس نے سجستان اور ایران کے بیشتر علاقے پر غلبہ پا لیا۔ پھر حجاج سے کوفہ و بصرہ چھیننے کے ارادہ سے آگے بڑھا۔ عبدالرحمٰن بن اشعث نے فقہاء و قراء کو اپنے ساتھ آنے کی دعوت دی تو ائمہ مسلمین اور جلیل القدر تابعین کی ایک جماعت نے ان کی دعوت کو قبول کر لیا، جن میں سعید بن جبیر، عبدالرحمٰن بن ابی جہل، عامر بن شرحبیل، امام شعبی اور ابوالبختری الطائی، کمیل بن زیاد و جبلہ بن زحر وغیرہ n سرفہرست تھے۔ فریقین کے درمیان معرکہ برپا ہو گیا۔ شروع میں تو عبدالرحمٰن بن اشعث حجاج اور اس کے لشکر پر بھاری رہا، پھر آہستہ آہستہ حجاج کا پلڑا بھاری ہونا شروع ہو گیا، حتیٰ کہ عبدالرحمٰن بن اشعث کو شکست کا سامنا کرنا پڑا اور اس کے لشکر نے حجاج کے سامنے ہتھیار ڈال دیے۔ (۵۳)

بہر حال صدائے حق کی اس تحریک میں عبدالرحمٰن بن اشعث کے ساتھ جلیل القدر تابعین شریک ہو جاتے ہیں، یہاں تک کہ اس راستے میں شہید بھی ہو جاتے ہیں، لیکن عہد پر وفا کر کے آئندہ نسلوں اور اسلامی تحریکوں کے لیے ایک روشن تاریخ چھوڑ جاتے ہیں۔

(۷) اسی طرح جنگ صفین میں حضرت علی بن ابی طالبؓ اور حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ کے درمیان جنگ میں حضرت علی h کے لشکر میں قیس بن سعد بن عبادہ h کے ہاتھ پر چالیس ہزار افراد نے موت کی بیعت کی۔ (۵۴) جبکہ قیس نہ فوج کا امیر عام ہے اور نہ خلیفۃ المسلمین۔ یہ دلیل ہے ایسے عہود و مواثیق پر جن کو بیعت سے موسوم کیا جا سکتا ہے اور یہ مسلمانوں کے درمیان جائز کام میں۔

(۸) ۶۱ھ میں بیعت اہل کوفہ: حضرت حسین بن علی i کے ہاتھ پر یزید بن معاویہ کے خلاف تقریباً اٹھارہ ہزار افراد نے بیعت کی۔ (۵۵) واضح رہے کہ شروع میں یہ بیعت مطلق خروج سے متعلق نہیں تھی، بلکہ ان

کے سامنے ایک عظیم مقصد تھا کہ وہ اسلام کے اجتماعی نظام کے بعض پہلوؤں کی حفاظت کرنا چاہتے تھے‘ لیکن بعد میں حالات ایسے بنے کہ انتہا خروج وقتال پر منتج ہوئی۔

(۹) بیعت اہل مدینہ (۶۱ ھ): یہ بیعت صحابی رسولؐ عبداللہ بن حنظلہؓ کے ہاتھ پر خلیفۂ وقت یزید بن معاویہ کے خلاف کی گئی۔(۵۶)

(۱۰) ابن کثیر ذکر کرتے ہیں کہ اہل دمشق نے ۶۴ ھ میں خلیفۂ وقت معاویہ بن یزید کے فوت ہو جانے کے بعد ضحاک بن قیس کے ہاتھ پر بیعت کی۔(۵۷)

(۱۱) ابن کثیر ذکر کرتے ہیں کہ ۶۴ ھ کے واقعات میں اہل کوفہ نے جلیل القدر صحابی سلیمان بن صرد کے ساتھ عہد اور عقد کیا۔(۵۸)

(۱۲) اسی طرح ۱۲۱ھ میں زید بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالبؓ کے ہاتھ پر خلیفۂ وقت ہشام بن عبدالملک کے خلاف کوفہ کے تقریباً چالیس ہزار لوگوں نے بیعت کی۔(۵۹)

(۱۳) یزید بن الولید نے خلیفۂ وقت الولید بن یزید بن عبدالملک (۱۲۶ھ) کے خلاف لوگوں سے بیعت لی تھی۔(۶۰)

(۱۴) ۱۲۷ھ میں معاویہ بن عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب نے امیر عراق عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز کے خلاف بیعت لی تھی۔(۶۱)

(۱۵) اسی طرح ۱۴۵ھ میں محمد نفس زکیہ (محمد بن عبداللہ) نے عباسی خلیفہ ابوجعفر المنصور کے خلاف بیعت کا علم بلند کیا تھا اور مدینہ کے اکثر و بیشتر لوگوں نے ان کی بیعت کر لی تھی۔ ابن جریر نقل کرتے ہیں کہ امام مالک نے اس بیعت کے حق میں فتویٰ دیا تو لوگوں نے کہا ہماری گردنوں میں منصور کی بیعت ہے۔ پھر انہوں نے کہا آپ لوگ جبری بیعت کی وجہ سے مکرہین ہیں اور مکرہین کی بیعت نہیں ہے۔ اس کے بعد لوگوں نے امام مالک کے قول کی وجہ سے بیعت کی۔(۶۲)

(۱۶) ابراہیم بن عبداللہ بن حسن‘ محمد نفس الزکیہ کے بھائی ہیں۔ ان کے قتل کے بعد بصرہ میں لوگوں نے ان کے ہاتھ پر ابوجعفر منصور کے خلاف بیعت کی۔(۶۳)

ابن کثیر نے لکھا ہے کہ مدینہ میں امام مالک محمد نفس زکیہ کے ساتھ تھے اور بصرہ میں ان کے بھائی کے ساتھ امام ابوحنیفہ‘ شعبہ بن الحجاج اور ہشیم تھے۔ آخر الذکر دونوں حدیث کے امام ہیں۔

(۱۷) اسی طرح سنت دلالت کرتی ہے کہ مہدی d کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے خبر دی ہے کہ مسلمان ان سے بیعت کریں گے اس سے پہلے کہ وہ خلیفہ ہوں یا دنیا پر ان کو قدرت حاصل ہو۔ اس مسئلے میں یہ قوی دلیل ہے۔

(۱۸) ۲۳۱ھ میں احمد بن نصر الخزاعی خلیفۂ وقت واثق کے فسق و فجور اور بدعات کی وجہ سے شروع

میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر پر سری طور پر بیعت لیتے رہے' لیکن جب اس کا فسق وفجور انتہا تک پہنچ گیا تو انہوں نے خلیفۂ وقت کے خلاف' خاص طور پر خلق قرآن کے مسئلے پر' خروج کا اعلان کیا۔

مذکورہ بالا ساری کی ساری بیعتیں غیر خلیفہ امیر عام کی ہیں۔اسلامی تاریخ میں مزید مثالوں کی بھی کمی نہیں ہے۔خاص طور پر مابعد والے دور میں' مثلاً محمد بن عبدالوہاب کی تحریک و بیعت' ابن بادیس کی تحریک و بیعت' عبدالقادر الجزائری کی تحریک و بیعت' حسن البناء کی تحریک و بیعت' ابوالکلام آزاد کی تحریک و بیعت' سید احمد شہید بریلوی کی تحریک و بیعت' ملا عمر کی تحریک و بیعت۔الغرض عالمِ اسلامی میں کوئی ایسا ملک نہیں جس میں ایک سے زائد اسلامی تحریکوں کا منہج بیعت کی مسنون بنیاد پر استوار نہ ہو۔

اس کے باوجود بعض لوگ کہتے ہیں کہ اسلامی تاریخ میں خلیفہ اور حاکم وقت کے علاوہ کسی اور کے لیے بیعت ثابت نہیں ہے۔مذکورہ مثالوں کی روشنی میں یہ بات مضحکہ خیز ہے اور ان کا یہ کہنا کہ اس طرح کی بیعت سلف صالحین اور قرونِ اولیٰ سے ثابت نہیں' سمجھ سے بالاتر ہے۔کیا عکرمہ بن ابی جہل' ابوذر غفاری' حضرت علی' حسین بن علی' عبداللہ بن زبیر j' عبدالرحمٰن بن اشعث' سعید بن جبیر' عامر بن شرحبیل' امام مالک وامام ابوحنیفہ وغیرہ n سلف صالحین نہیں ہیں؟ اور کیا یہ قرونِ اولیٰ کے لوگ نہیں ہیں؟ اگر جواب نہیں میں ہے تو پھر صحیح بات کیا ہے؟ اور اگر جواب ہاں میں ہے تو پھر فَمَا جَوَابُکُمْ فَھُوَ جَوَابُنَا کہ جو جواب آپ کا ہے وہ جواب ہمارا بھی ہے۔ہم بھی سلف صالحین کے منہج کے مطابق ہی چلتے ہیں تو پھر اعتراض کیوں؟ خاص طور پر جبکہ معاملہ طاعت فی المعروف والحق اور الجہاد فی سبیل اللہ کا ہو!

بہرحال توجیہات تو بہت کی جاسکتی ہیں لیکن اصل حل کیا ہے؟ حل یہ ہے کہ اگر اسلامی حکومت اور اسلام کا نظامِ عدل وقسط مکمل طور پر قائم ہے تو ایسی صورت میں واقعتاً بیعت کی بنیاد پر جماعت سازی کی چنداں ضرورت نہیں' کیونکہ جماعت سازی اور بیعت بذاتِ خود مقصد نہیں ہے' مقصد اسلامی حکومت اور شریعت کے عادلانہ نظام کا قیام ہے اور وہ بذات خود موجود ہے۔لیکن اگر اسلامی حکومت موجود نہیں ہے' یا حکومت تو اسلامی ہے مگر اسلام کا نفاذ نہیں ہے تو پھر مسلمانوں کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ مذکورہ بالا دلائل کی روشنی میں اس عظیم مقصد کے لیے بیعت کی مسنون بنیاد پر جماعت سازی کریں' تحریک چلائیں اور بیعت کی اس مردہ سنت کو زندہ کریں تاکہ تحریک کی کامیابی کی صورت میں کارکن اور قائد دونوں پہلے سے ذہناً سمع و طاعت کے لیے تیار ہوں اور اس کے نتیجے میں واقعتاً اسلامی نظام کے قیام کے لیے ایک جامع و کامل منظّم صورت موجود ہوسکے۔oo (جاری ہے)

آئندہ مباحث

(ا) بیعت کے بارے میں معاصر علماء کے اقوال

(ا) ابوعبدالرحمٰن عقیل بن محمد بن زید المقطری المصری (۲) ڈاکٹر یوسف القرضاوی (۳) استاد ڈاکٹر جمال

الدین عطیہ (۴) ڈاکٹر فتحی یکن فتح عبدالستار (۵) الشیخ سلیمان العودہ (۶) مولانا ثناء اللہ امرتسری m (۷) شیخ ممتاز احمد عبداللطیف (۸) الشیخ د/ مصطفیٰ الطحان (۹) الشیخ عبدالعزیز عبدالقادر القاری (۱۰) الشیخ ولید بن علی الحسین (۱۱) شیخ زائد صلاح (۱۲) استاد مصطفیٰ مشہور m (۱۳) استاد الشہید حسن البناء m (۱۴) استاد عبداللہ ناصح علوان (۱۵) مولانا گوہر الرحمٰن (۱۶) امام حسین بن غنام (۱۷) دار الافتاء دیو بند (۱۸) حاصل کلام۔

(۲) گزشتہ سے پیوستہ چند ضروری باتیں

اس عنوان کے تحت مندرجہ ذیل مباحث ہیں: (۱) شبہ ایک اور اس کا حل (۲) شبہ ۲ اور اس کا حل (۳) ملک و ملت کی بڑی آزمائشیں (۴) مطلوبہ قوت (۵) زیر سطح (کرنے کا کام) (۶) طوبیٰ للغرباء (۷) رسول اللہ ﷺ کی جماعت کی خصوصیات (۸) غیر منظّم کوششیں (۹) اسلامی انقلاب کے حامیوں سے اپیل (۱۰) گزری ہوئی زندگی کا محاسبہ (۱۱) خلاصۃ الکلام۔

حواشی

(۱) کشاف ' اصطلاحات الفنون ' بذیل مادۃ۔

(۲) دیکھئے: محمد فؤاد عبدالباقی' المعجم المفهرس لألفاظ القرآن بذیل' مادۃ۔

(۳) اردو دائرۃ المعارف الاسلامیۃ' مادة بیع/بیعة ص۲۸۹-۲۹۳' جلد۵' طبع ۱۹۸۵' بارِدوم' ناشر رجسٹرار پنجاب یونیورسٹی' لاہور پاکستان وشاہکار اسلامی انسائیکلوپیڈیا' از سید قاسم محمود' ص ٤٥٨' مادة بیعت 'ناشر الفیصل' لاہور۔

(٤) المغنی لابن قدامة ٨/٥٢٦ طبع مصر ١٩٦٩ء۔

(٥) لسان العرب ٨/٢٦' مادة بیع۔

(٦) اسلامی انقلاب کے لیے التزامِ جماعت اورلزوم بیعت۔ از ڈاکٹر اسرار احمد' ص۴۷' شائع کردہ مکتبہ الفضل' صدر کراچی' باراول ۱۹۹۵ء۔

(٧) اسلامی سیاست' ص۱۷۴ از مولانا گوہر رحمٰن۔

(٨) البیعة ۔ مفهومها ومدى مشروعيتها لغير الحاكم د/محمد عبداللطيف البنا بحوالة اسلام۔ اون لاین و شاہکار اسلامی انسائیکلوپیڈیا' مادۃ بیعت' ص۴۵۸۔

((٩) دیکھئے سیرت ابن ہشام١-٢/٤٤٢- وطبقات ابن سعد١/٢٢٢- وتاريخ طبرى٢/٢٣٨-٢٣٩- ومسند احمد٥ /٣٢٥- والكامل لابن الأثير٢ /٩٩- والبداية لابن الاثير٣ /١٥٩- وفاء الوفا للمهودى١/ ٢٣٠دارالمصطفى طبع بيروت ١٩٧١ء- بحواله اسلامى سياست' ص ١٧٥-١٧٦ از مولانا گوهر الرحمٰن۔

(١٠) صحيح البخارى وصحيح مسلم ومسند احمد۔

(١١) صحيح البخارى' كتاب المناقب' ١/٥١٨- اصح المطابع كراچى ١٩٦١-

(١٢) صحيح البخارى' كتاب المحاربين' ٢/١٠١٠-

(۱۳) صحیح البخاری، کتاب الاحکام، باب الاستخلاف ۱۰۷۲/۲ وجامع الاصول ۶۸۷/۴۔۶۹۵۔

(۱۴) مسند احمد۱/۵۵۔۵۶ و ۲۱/۱ طبع بیروت۔ ومصنف عبدالرزاق۴۳۹/۵۔۴۴۵ طبع بیروت ۱۹۷۲۔ ومجمع الزوائد ۱۸۲/۵۔۱۸۳ بیروت ۱۹۶۷ء

(۱۵) ابن سعد ۱۹۹/۲۔۲۰۰ ومنتخب کنز العمال برحاشیہ مسند احمد۱۷۷/۲۔۱۸۷۔

(۱۶) اسلامی سیاست ۳۳۱ از مولانا گوہر رحمن۔

((۱۷) صحیح البخاری، کتاب المناقب ۵۲۳/۱۔ الاحکام۱۰۸۰/۲ ۔ وجامع الاصول ۱۲۴/۴۔۱۲۸۔

(۱۸) بحوالہ اسلامی ریاست، ص ۳۳۳۔

(۱۹) تاریخ طبری ۱۵۲/۵ ۔ والکامل۱۹۰/۳۔ ابن سعد۳۱/۳۔ الریاض النضرۃ۲ /۳۲۴ طبع مصر۱۹۵۳ بحوالہ اسلامی ریاست، ص ۳۳۴۔

(۲۰) مسند احمد، ح ۱۰۴۱۔

(۲۱) صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب وجوب طاعۃ الامراء فی غیر معصیۃ انما الطاعۃ فی المعروف۔ وصحیح البخاری، کتاب الاحکام، باب۴، رقم الحدیث ۱۸۴۰۔

(۲۲) متفق علیہ، بخاری، کتاب الاحکام۔

(۲۳) متفق علیہ، بخاری، کتاب الاحکام۔

(۲۴) تفصیل آگے آرہی ہے۔

(۲۵) رواہ مسلم والنسائی۔

(۲۶) مسند احمد۔

(۲۷) الثقات لابن حبان۔

(۲۸) رواہ البخاری ۹/۲۔

(۲۹) الماوردی، الاحکام السلطانیۃ، ص ۱۳۔

(۳۰) الکامل فی التاریخ لابن الاثیر الجزری مطبوعہ لائیڈن ۱۸۶۸، جلد۳، ص ۵۵ بحوالہ تاریخ و ثقافت ص۱۵۔ ۱۷مئی ۱۹۸۱ء شعبہ تاریخ ومطالعہ پاکستان بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان۔

(۳۱) ابن الاثیر، النہایۃ ۱۷۴/۱۔

(۳۲) مفردات غریب القرآن از راغب اصفہانی۔

(۳۳) المنجد عربی/اردو، مادۃ عقد، ص ۵۷۱ طبع دار السلام۔

(۳۴) تفسیر ابن کثیر ۶۰۵/۲۔

(۳۵) مجموع الفتاویٰ ۱۹/۲۸۔۲۱۔

(۳۶) تفسیر احسن البیان، طبع دار السلام۔

(۳۷) صحیح البخاری، ح ۲۷۲۸۔

(۳۸) تفسیر احسن البیان (حاشیہ)، ص ۳۹۵۔

(٣٩) فتح الباری٣٢٦/٥۔
(٤٠) سیرت ابن ھشام ١۔٤٢٦/٢۔٤٢٧۔
(٤١) سیرت ابن ھشام ١۔٤٢٨/٢۔ و طبقات ابن سعد٢١٩/١۔ و تاریخ طبری٢٣٤/٢۔ والکامل ٩٥/٢‘٩٦۔ والبدایه٤١٩۔ وجوامع السیر لابن حزم ٦٩‘٧٠ طبع گوجرانواله۔
(٤٢) رواه البخاری۔
(٤٣) رواه البخاری و مسلم۔
(٤٤) رواه البخاری و مسلم۔
(٤٥) رواه البخاری والترمذی والنسائی وابی داوٗد واحمد وابن ماجه والبیهقی وابن خزیمه وابن حبان۔
(٤٦) رواه البخاری‘ کتاب الاجارۃ‘ باب السمرۃ۔
(٤٧) صحیح مسلم‘ بشرح النووی‘ ص ٦٧‘ باب الوفاء بالعهد ‘ کتاب الجهاد والسیر‘ طبع نعمانی کتب خانه‘ پاکستان۔
(٤٨) رواه البخاری ومسلم وابن حیان وابوعوانه والبیهقی۔
(٤٩) رواه البخاری‘ کتاب فضائل الصحابة‘ باب اسلام ابی ذر غفاریؓ‘ ح ٣٦٤٨۔وعن ابن عباس‘ ص ٨٧٢۔٨٧٧ طبعة المکتبة العربیة لاهور۔ تحقیق د/مصفطی دیب البغا۔
(٥٠) رواه البخاری‘ کتاب فضائل الصحابة‘ باب قصة البیعة والاتفاق علی عثمان بن عفانؓ‘ ح ٣٤٩٧‘ ج٢۔
(٥١) البدایة والنهایة٦ /١١۔ *مزید دیکھئے* الاصابة الترجمة ٥٦٤۔ وتهذیب الاسماء ٣٣٨/١ و خلاصة التهذیب٢٢٨/١۔ تاریخ الاسلام للذهبی ٣٨٠/١ بحواله (واصحابود ذوند پلوشی لدکتور عبدالرحمن رأفت پاشا (پشتو ترجمه) مترجم بشار)۔
(٥٢) البدایة والنهایة٦/١١ ۔
(٥٣) نفس المصدر٣٥/٩ وتذکرۃ تابعین از عبدالرحمن رأفت پاشا‘ ناشر منشورات لاهور۔
(٥٤) فتح الباری٦٣/١٣۔
(٥٥) البدایة والنهایة٨/ ٥٢٠ ومابعدها۔
(٥٦) نفس المصدر۔
(٥٧) نفس المصدر٢٣٩/٨۔
(٥٨) نفس المصدر٢٤٧/٨۔
(٥٩) نفس المصدر٣٢٧/٩۔
(٦٠) نفس المصدر١٠ /٨۔١١۔
(٦١) نفس المصدر١٠ /٢٥۔
(٦٢) نفس المصدر١٠ /٨٢۔ ٩٠۔
(٦٣) نفس المصدر١٠ /٩١۔٩٦۔